نجمی مایا

شاعرِ اہلبیت علامہ نجم آفندی کا ہندی کلام

تحقیق و تدوین

ڈاکٹر سید تقی عابدی

جملہ حقوق بحق مرتّب محفوظ

کتاب	:	**نجمی مایا**
تحقیق وتدوین اور تنقید	:	**ڈاکٹر سیّد تقی عابدی**
سنہ اشاعت	:	2006ء
تعداد	:	1000
کمپوزنگ	:	افراح کمپیوٹر سنٹر نئی دہلی۔ 25
ایڈیشن	:	اوّل
باہتمام	:	**ڈاکٹر شاہد حسین**، نئی دہلی

یہ کتاب

مرتب محقق و ناقد ڈاکٹر **سیّد تقی عابدی** (کنیڈا) اور

ناشر **ڈاکٹر شاہد حسین**، شاہد پبلی کیشنز، 2253 دریا گنج، نئی دہلی (انڈیا)

کی اجازت سے شائع کی گئی

رَو میں ہے رَخشِ عمر

نام	:	**سیّد تقی حسن عابدی**
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلّص	:	تقی
والد کا نام	:	سیّد سبط نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ 1952ء
مقام پیدائش	:	دہلی (انڈیا)
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ایم ایس (برطانیہ) ایف سی اے پی (یونائٹیڈ اسٹیٹ آف امریکہ) ایف آر سی پی (کنیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری اور ادبی تحقیق
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کنیڈا
شریک حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا) دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)
تصانیف	:	شہید (1982ء) جوشِ مودّت۔ گلشن رویا۔ اقبالؔ کے عرفانی زاویے، انشاء اللہ خاں انشاءؔ۔ رموز شاعری۔ اظہار حق۔ مجتہد نظم مرزا دبیرؔ۔ طالع مہر۔ سلکِ سلام دبیرؔ۔ تجزیہ یادگار انیسؔ۔ ابواب المصائب۔ ذکر دُربا ران۔ عروسِ سخن۔ مصحفِ فارسی دبیرؔ۔ مثنویاتِ دبیرؔ۔ کائنات نجم۔
زیر تالیف	:	تجزیہ شکوہ جواب شکوہ۔ رباعیات دبیرؔ۔ فانی شناسیؔ۔ مصحفِ تاریخ گوئی۔ روپؔ کنوار کماری۔ تعشق لکھنوی۔

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

دردِ دل

کس کس سے سوال کروں؟

علامہ نجم آفندی نے کہا تھا:

میں خود ہوں مطمئن اے نجم ادب کی خدمت سے
جگہ نہ دے کہیں تاریخِ روزگار مجھے

1. اردو کے مشاہیر شعرائے غزل نے نجم کی قدر دانی کیوں نہ کی؟ (195) عمدہ اور اعلیٰ ترین غزلوں کو کیوں نظر انداز کیا گیا؟ کیا 1955ء کا آل انڈیا مشاعرہ یاد نہیں جس میں نجم نے مشاعرہ لوٹ لیا تھا؟ 0

2. اردو کے ترقی پسند تحریک کے نمائندوں نے کیوں نجم کو نظر انداز کیا؟ اردو ادب میں کسان، مزدور، مزدوری اور سرمایہ داروں کے خلاف نظموں میں پہلی آواز علامہ اقبال اور جوش سے قبل نجم کے سوا کس نے بلند کی؟ اگر بقول سلیمان ندوی، حسرت موہانی اسلامی اور سوشلسٹ رجحان رکھ کر بیسویں صدی کے ابوذر غفاری ہوسکتے ہیں اور تحریک کے بھی پسندیدہ شاعر رہ سکتے ہیں تو نجم کی مسلمانی کیوں برداشت نہ ہوئی؟

③ نعت کے پرستاروں نے صدہا نعتیہ آبدار اشعار اور سولہ سے زیادہ نعتوں کو کیوں طاقِ نسیاں کے سپرد کیا؟
کیا نجم کے اس شعر میں کسی کو شک ہوسکتا ہے؟

اے نجم میں ہوں شاعرِ دربارِ رسالتؐ
کیا شک ہے کسی کو مری تصویر کشی میں

④ کیوں افسانہ نویسوں نے عمدہ افسانہ ''چور ماموں'' نہیں پڑھا؟ کیوں ناول نگاروں نے تخلیقی شاہکار ناول ''بندۂ خدا'' کو فراموش کیا؟

شریک حال نہ ہوتی جو نجم خودداری
ہمارے غم کا فسانہ غمِ جہاں ہوتا

⑤ اردو میں کتنے شاعر ہیں جنھوں نے نجم کی طرح چھ سو سے زیادہ عمدہ رباعیاں لکھیں؟ کیوں اردو رباعیات لکھنؤ کے پی ایچ ڈی (Ph.d) کے مقالے میں نجم کا نام تک نہیں؟ جبکہ پانچ اور دس رباعی کہنے والے افراد کا ذکر آب وتاب کے ساتھ ہے۔ کیا اس قسم کے مقالوں پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

⑥ شاعرِ اہلِ بیتؑ کا خطاب دے کر محبّانِ اہلِ بیتؑ کیوں نجم سے غافل ہوگئے؟ مولویوں، خطیبوں نے منبر سے کیوں ان کا پیغام نہیں پہنچایا؟ سلاموں، نوحوں، مرثیوں کو لے کر دوسرے انتقادی کلام کو کیوں تلف کر دیا؟ کراچی میں اتنے بڑے شاعر کے جنازے میں کیوں صرف بیس(20) پچیس(25) افراد شریک ہوئے؟

⑦ کیوں نجم کے کلام کو محبّانِ اہلِ بیتؑ، گروہانِ نوحہ خوان، پرستارانِ نجم، شاگردانِ رشید، عزیزو اقربا نے انتقال کے تیس (30) برسوں میں بھی شائع نہیں کیا؟ اگرچہ نجم نے کہا تھا:

ہم نجم چار روز کے مہمان ہیں مگر
رہ جائیں گے یہ شعر و ادب کے تبرکات

⑧ اردو ادیبوں اور تنقید نگاروں نے اس بیسویں صدی کے عظیم شاعر سے کیوں غفلت برتی؟ تجمّم کے (12799) اشعار، (195) غزلیں، (591) رباعیات، (498) قطعات، (16) نعتیں، (81) قصائد، (107) سلام، (144) نوحے، (83) متفرقات کے علاوہ (3) مرثیے، (18) ہندی کلام کے آثار اور کئی نثری کتابیں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ موجود ہیں:

آج اردوئے معلّٰی کی اشاعت کے لئے
یہ غنیمت ہے کہ تجمّم نکتہ داں باقی رہا

میں نے حقیقت کو پیش کیا ہے:

تجمّم بہتر ہے تصنّع کی دلآویزی سے
تلخ لہجے میں حقیقت کا بیاں ہوجانا

⑨ کانگریس، مسلم لیگ اور دوسرے قومی سیاسی عہدے داروں نے ایسے وطن دوست شاعر کو وطن کی محبّت میں کیا دیا؟ جبکہ

ع : منزل انھیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

کائناتِ تجمّم ان تمام سوالوں کا جواب رکھتی ہے۔ صرف گردشِ اوراق شرط ہے۔ شاید یہ میری تجمّی عقیدت اور اُردو محبت ہو۔ یہ ایک خوشگوار حادثہ تھا جس کے فیض سے میں کائناتِ تجمّم کو دریافت کرسکا:

یہ بھی اک حادثہ اُردو کی محبت کا ہے تجمّم
کنجِ عزلت سے جو باہر نکل آیا ہوں میں

خیر اندیش

سیّد تقی عابدی

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی

نجم آفندی کا زندگی نامہ

نام مرزا تجمل حسین

تخلص نجم۔ نجمی

شہرت نجم آفندی

گھریلو نام نادر مرزا

تاریخ ولادت: رمضان 1330 ہجری مطابق 1893ء

مقام ولادت: اکبر آباد (آگرہ) کٹرہ حاجی حسن جو پیپل منڈی کے پیچھے واقع ہے۔

والد مرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی۔ معروف شاعر اپنے سگے ماموں سید اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی متوفی 1880ء کے شاگرد رہے۔ ان کی پیدائش 1860ء میں کٹرہ حاجی حسن آگرہ میں ہوئی۔ شادی آغا حسین صاحب صاحبِ دیوان شاعر کی بیٹی سے ہوئی۔ دوسری شادی ایک انگریز خاتون سے ہوئی۔ آپ بزمؔ تخلص کرتے تھے۔ معروف غزل گو اور مرثیہ گو شاعر تھے۔ بزمؔ آفندی کا انتقال 23 مارچ 1953ء کو ہوا۔

دادا مرزا عباس ملیح جو مرزا نجف علی بلیغؔ کے فرزند تھے جو مرزا فصیحؔ مشہور مرثیہ گو شاعر کے حقیقی بھائی تھے۔ اسی لیے تو نجمؔ آفندی نے مرزا فصیحؔ کی میراث پر فخر کرتے ہوئے فرمایا:

نجمؔ میں ہوں خاک پائے مسند آرائے فصیحؔ
مدح کی دولت ملی ہے ورثۂ اجداد سے

پرداداد:	مرزا ہادی علی فیض آبادی۔ مرزا ہادی علی کے تین فرزند تھے۔ (1) مرزا جعفر علی فصیح (2) مرزا نجف علی بلیغ (3) مرزا فتیح۔ ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم لکھتے ہیں۔ ''نجم آفندی کے پردادا ہادی علی فیض آبادی حضرت عقیل ابن ابی طالب علیہ السلام کی نسل سے تھے لیکن جب ان کے بزرگ بلاد ایران میں رہنے لگے تو وہاں ''مرزا'' مشہور ہوگئے تھے۔ ہندوستان میں آمد کے بعد ان کے بزرگ شاہجہاں آباد (دہلی) میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔

معز الدین قادری اسرار و افکار میں لکھتے ہیں۔ نجم آفندی کے پردادا مرزا ہادی علی فیض آباد کے محلّہ ''مغل پورہ'' میں رہتے تھے چنانچہ نجم آفندی نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔

مرے بزرگوں کا اصلی وطن ہے فیض آباد
مجھے بھی شوق تھا دیکھوں میں یہ در و دیوار

اجداد:	نجم آفندی کے اجداد ترک نسل سے تعلق رکھتے تھے جو ہجرت کر کے ہندوستان میں آباد ہوئے۔

بھائی بہن:	دو بھائی (1) مرزا اعجاز حسین مرحوم اکیس برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ یہ عمر میں نجم سے بڑے تھے۔

(2) مرزا سلیمان کوکب آفندی، چھوٹے بھائی جن کی صاحبزادی مشہور مرثیہ نگار شاعر باقر زیدی کی شریک حیات ہیں۔ ایک بہن شہزادی فرطیس بانو اختر جہاں کج کلاہ پروین پیدائش 1901 جو بزم آفندی کی دوسری انگریز بیوی کے بطن سے تھیں۔ پروین کج کلاہ عمدہ شاعرہ تھیں۔

شریکِ حیات: 1958ء میں گلے کی کینسر سے انتقال کرگئیں۔ کانپور کے ایک معزز گھرانے کی صاحبزادی تھیں۔

اولاد:	(1) پانچ لڑکے۔ جن میں چار لڑکے عباس، کامران، تاجدار اور تسلیم بچپن میں مرگئے اور اکلوتے بیٹے ہمایوں مرزا المتخلص سہیل آفندی حیات ہیں اور حیدرآباد

دکن میں مقیم ہیں۔

(2) سات لڑکیاں۔ ایک بیٹی کا کمسنی میں انتقال ہوگیا۔ دوسری لڑکی ناکتخدا تھی۔ دو بیٹیاں شادی کے بعد پاکستان چلی گئیں اور دو بیٹیاں ہندوستان میں مقیم رہیں۔

تعلیم وتربیت: 1- تجم آفندی کی اردو اور فارسی تعلیم گھر پر ہوئی۔

-2 قرآن مجید اپنے چچا مرزا ہادی علی سے پڑھا

-3 مفید عام اسکول آگرہ سے انگریزی میں مڈل پاس کیا۔ اس اسکول میں اردو فارسی مولوی سلامت اللہ سے اور انگریزی اسکول کے ہیڈ ماسٹر راج کمار سے پڑھی۔

-4 اسرار و افکار کے دیباچہ میں معز الدین قادری لکھتے ہیں۔ ''تجم آفندی کو اردو فارسی اور انگریزی کے علاوہ ہندی زبان میں بھی درک ہے۔ ان کی ہندی زبان میں بھی تصنیفات ملتی ہیں۔''

-5 ڈاکٹر ذاکرحسین فاروقی دبستان دبیر میں لکھتے ہیں۔ تجم آفندی اردو، فارسی اور عربی اچھی جانتے ہیں اور انگریزی میں بھی اچھا درک رکھتے ہیں۔

-6 ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی نے تجم آفندی فکروفن میں لکھا۔ ''اردو فارسی کی حد تک تو یہ بات درست ہے لیکن محض قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کو عربی تعلیم کا حصول سمجھ کر مالک رام اور ڈاکٹر ذاکرحسین کو مغالطہ ہوا ہے۔ خود تجم آفندی نے اپنے خط میں عربی نہ پڑھ سکنے کے بارے میں لکھا ہے۔

-7 اردو فارسی اور انگریزی کتابوں کے مطالعہ کا شوق تھا۔ انھیں گھر پر عام طور سے انگریزی ناول کو بھی مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا گیا۔

-8 تجم آفندی شمشاد حسین کے نام خط میں لکھتے ہیں ''میری تعلیم اس زمانے کے مڈل تک ہوگی مگر کم از کم انگریزی کی دو ہزار کتابیں ہر قسم کی میری نظر سے گزری ہیں۔

شکل وصورت: شکل وصورت تصویر سے ظاہر ہے جو اس کتاب میں شامل ہے۔ تجم آفندی کا قد تقریباً پانچ فٹ تھا۔ بدن چھریرہ، رنگت سرخ وسپید تھی۔ چہرہ گول خوبصورت ناک اور باریک ہونٹ کے ساتھ بڑے کان اور سر بھی نسبتاً بڑا تھا۔ آخری عمر میں بال

بہت کم رہ گئے تھے۔خشخشی داڑھی جو مونچھوں سے متصل تھی ۔آواز رعب دار اور چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی۔

وضع اور لباس: تجم آفندی نستعلیق شخصیت تھے۔وہ مشرقی روایات کے پاسدار اور اسلامی تہذیب کے نمونہ تھے۔ جوش ملیح آبادی نے ساقی جوش نمبر میں لکھا۔''حضرت تجم آفندی جو اس قدر دین دار و پابند وضع بزرگ ہیں کہ قہقہہ مارنے کو بھی خلافِ شرع سمجھتے ہیں۔''

تجم آفندی کے لباس میں سادگی تھی۔وہ عام طور پر سفید شیروانی ،سفید پائجامہ، مخمل کی کالی ٹوپی پہنتے تھے۔کبھی کبھار کالی شیروانی پر شال اوڑھ لیتے تھے۔پاؤں میں معمولی سلیپر یا جوتا ہوتا۔ ہاتھ میں ہمیشہ چھڑی رکھتے تھے۔ عینک صرف حسب ضرورت لگاتے۔

غذا و خوراک: تجم آفندی کم خوراک تھے۔دیسی گھی اور گڑ سے شدید رغبت تھی ۔ان کی گھی اور گڑ کی چاہت کی کئی داستانیں لوگوں نے بیان کی ہیں۔

سیرت و کردار: ہم تجم آفندی کی سیرت اور عالی کردار کے ساتھ عجز و انکساری کا مختصر خاکہ معز الدین قادری اور ذاکر حسین فاروقی کی تحریروں سے پیش کرتے ہیں۔اسرار و افکار کے دیباچہ میں معز الدین قادری نے لکھا ہے۔''خاندانی روایات مذہبی تعلیم و تربیت اسلام کی عظیم شخصیتوں کےنقوش قدم کو اپنا راستہ بنانے کی سعی وتمنا نے ان کو کافی متوازن، معتدل مزاج اور بنی نوع انسان کا ہمدرد بنادیا ہے۔ ان کی آنکھوں میں بصیرت کی چمک ہے اورسنجیدگی کے نہ جانے کتنے راز ہیں۔انھیں بنی نوع انسان سے محبت ہے۔شخصی اور مذہبی عقائد پر خودسختی کے ساتھ کاربند ہیں لیکن سیرت و کردار میں کہیں بھی ''ملاپن'' یا پندار زہد'' کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا سوانگ موجود نہیں۔بُردبار، حلیم، خوش خلق اور مصیبتوں میں مسکرانے والی شخصیت ان کے سارے کلام سے جھلکتی ہے اور انھیں یہ کہنے کا حق ہے

میری تلاش راہ پر ہنستے ہیں آج قافلے
شمع بنائی جائے گی کل میری گردِ راہ کی

بقول جوشؔ ملیح آبادی۔ جہاں تک طبائع کا تعلق ہے، باپ بیٹے میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ وہ ایک رنگین مزاج شاعر تھے اور ان کو رنگینی کبھی چھو کر نہیں گئی تھی۔ وہ سراپا رند تھے اور یہ سرتا بہ قدم متقی اور خشک قسم کے متقی تھے۔

دبستانِ دبیرؔ میں ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی بیان کرتے ہیں: ''مروّت وضع داری، ایفائے وعدہ، حُسنِ معاشرت اور بڑے چھوٹوں کے ساتھ یکساں برتاؤ آپ کے کردار کی وہ خوبیاں ہیں جو ہر شخص کے دل میں جگہ پیدا کر لیتی ہیں۔ نجمؔ صاحب نے اپنی زندگی کے جو اصول بنائے تھے وہ تا حیات ان پر کاربند رہے اور اخلاقی و روحانی اعتبار سے انھوں نے ایک کامیاب زندگی گزاری اور ان کی کامیاب زندگی ''قابلِ رشک موت'' کی ضامن بن گئی۔ بقول خود:

کچھ شعر جو منقبت میں کہہ لاتا ہے
اس خواب سے اپنے دل کو بہلاتا ہے
موزوں ترے کردار پہ بھی ہے یہ خطاب
تو شاعرِ اہل بیت کہلاتا ہے

شغل و ملازمت:

-1 ریلوے محکمہ میں کلرک کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ اس وقت نجمؔ کی عمر بیس سال تھی۔

-2 پھر دہلی میں ملازمت کی۔

-3 کالکا اسٹیشن اور غازی پور اسٹیشن پر کچھ عرصہ ملازم ہوئے۔

-4 تحریکِ ترکِ موالات سے متاثر ہو کر ریلوے کی ملازمت ترک کر دی اور تلاشِ معاش میں ردولی پہنچے اور کچھ عرصہ کاشتکاری کی۔

-5 جونیئر پرنس معظم جاہ شجیع کے دربار سے منسلک ہوئے۔ ان کے سپرد پرنس کے کلام کی اصلاح تھی۔ تنخواہ بھی اس کام کی پاتے تھے۔ نجمؔ کی ماہانہ تنخواہ دو سو روپے ماہوار تھی۔

-6 دربار سے علاحدہ ہو کر مالی پریشانیوں میں بسر کی اور اپنی خودداری کو نبھانے اور پیٹ

کی آگ بجھانے کے لیے چھتہ بازار حیدر آباد میں جوتوں کی دکان تک کھولی۔
تف بر تو اے چرخ پیر کہ شاعرِ اہل بیت کو اتنی بڑی قوم تنگ دستی میں سہارا نہ دے سکی جبکہ تمام قوم اور تاجر ان کے کلام سے روحانی اور اقتصادی فائدہ اٹھا رہے تھے۔ اسی لیے تو اپنے خطوط میں اس طرح گلہ کیا ''آج ہندوستان میں تبت سے راس کماری تک میرے نوحے پڑھے جا رہے ہیں لیکن مالی فائدہ دوسرے اٹھا رہے ہیں'' 'کاروان ماتم' لاہور والوں نے میری اجازت و اطلاع کے بغیر شائع کر لی ہے۔ لکھا تو جواب تک نہیں دیتے۔ یہ قدر دانی ہو رہی ہے۔ ہم تکلیف اٹھا رہے ہیں اور یہ نفع کما رہے ہیں۔''

شاعری کا آغاز: ۱۲ سال کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا۔ ابتدا غزل گوئی سے کی۔ شاہ نیاز وارثی کی غزل پر مصرعے لگائے

زہے عزّو جلالی بو ترابی فخرِ انسانی
علیِ مرتضیٰ مشکل کشائی شیرِ یزدانی

پہلا مشاعرہ: جس مشاعرے سے تجمل کی شاعری کا تعارف ہوا وہ خود ان کے گھر کے سامنے منعقد کیا گیا تھا جس میں اکابر شعرا نے شرکت کی تھی۔ تجمل کی غزل کا مطلع تھا:

چاندنی میں تم ذرا گھر سے نکل کر دیکھتے
قبرِ عاشق اور ایک میلی سی چادر دیکھتے

شاگردی: شاعری کے آغاز میں اپنے والد بزم آفندی کی شاگردی کی لیکن بہت جلد ہی اصلاح سے بے نیاز ہو گئے۔

صحبت اساتذہ: تجمل آفندی کو گھریلو ماحول کے علاوہ اپنے دہلی کے قیام کے دوران نواب سائل دہلوی، بے خود دہلوی، پنڈت امر ناتھ ساحر، منشی امیر اللہ تسلیم، شوکت علی میرٹھی، عبد الرؤف عشرت، ناصر علی خاں مچھلی شہری اور وقار کانپوری جیسے شعرا شامل تھے۔ انھیں اساتذہ نے تجمل کی شعری صلاحیتوں سے متاثر ہو کر کہیں اس نوجوان شاعر کو صدر مشاعرہ بنایا تو کہیں راجہ پنڈراول نے ان کی شاہکار نظم کو (1800) سو روپیوں

میں خرید کر یہ رقم یتیم خانہ کی خدمت کے لیے وقف کردی۔ کبھی محفل مقاصدہ میں صفی لکھنوی کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ''نجم صاحب ہم نے بائیس (22) سال اس محفل میں چراغ جلایا ہے اب آپ کی باری ہے۔''

خطاب: ناصر الملت نے نجم آفندی کو ''شاعر اہلبیت'' کا خطاب دیا جو نجم آفندی کے مسلسل سلام اور قصیدہ نگاری کا اثر تھا۔

یہاں یہ بات بھی خارج از محل نہیں کہ نجم آفندی کے دادا کے بھائی مرزا فصیح کو خلافت عثمانیہ کی جانب سے آفندی خطاب کعبتہ اللہ اور حاجیوں کی خدمت کرنے پر دیا گیا تھا جو نسلاً بعد نسل استعمال ہوسکتا تھا۔

ہم عصر شعراء: حالی، اکبر الہ آبادی، اقبال، سائل دہلوی، منشی امیر اللہ تسلیم، نسیم، حسرت موہانی، صفی لکھنوی، مرزا اوج، دولھا صاحب عروج، مرزا ثاقب، آرزو لکھنوی وغیرہ بزرگ عمر ہم عصر شعرا تھے جب کہ ان کے ہم عمر شعرا میں فانی، جوش، صدق جائسی، یگانہ، سیماب، مہذب لکھنوی، نسیم امروہوی، رئیس امروہوی، سید آل رضا وغیرہ شامل تھے۔

تلامذہ: نجم آفندی کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ خود انھوں نے جو فہرست جلیس ترمذی کو روانہ کی تھی اس میں (69) نام تھے۔ وہ بعد میں بڑھ کر (72) ہوگئی، اور کچھ اس طرح ہے جسے ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی نے نجم آفندی فکر و فن میں نقل کیا ہے۔ رعنا اکبر آبادی، جعفر مہدی، رزم رودلوی، صفدر حسین کاظمی، عبد السعید رشک، عابد مرحوم، وزارت علی، علی انجم اکبر آبادی، مرزا عبد الکریم مضطر، کوکب اکبر آبادی، جلیس ترمذی، انتظام الحسنین، خاور نوری، سعید شہیدی، مرزا عادل، ساجد رضوی، شاہد حیدری، عازم رضوی، تائم جعفری، عباس عابدی، خورشید جنیدی، باقر منظور، طاہر عابدی، خواجہ ضمیر، کاوش حیدری، منجو قمر، راحت عزمی، تصور کرت پوری، عباس زاہد، شہید یار جنگ، ہشیار جنگ، ڈاکٹر اختر احمد، تبسم نظامی، طالب رزاقی، حرماں خیر آبادی، عاصم جمیل، ساحر نجمی، سعید السائر، زیبا رودلوی، پرنس معظم جاہ شجیع، ہاشم جاں بہادر، اختر زیدی، حسن مدنی، اثر غوری، کاظم رشک، شاغل حیدر آبادی، صمیم

حیدر، محبؔ جاورہ، صادقؔ نقوی، سوزؔ رضا ترمیم، تقیؔ عسکری، اقبالؔ عابدی، سید جعفر حسنین، زاہدؔ رضوی، ظہیرؔ جعفری، آغا ہاجرؔ، باذلؔ عباس ضیغم، ساترؔ، ثاقبؔ، سعادت نظر، عبدالحیٔ خاں، شارقؔ، بانو سید پوری، نظیرؔ سیہوری، عقیلؔ نجمی، سہیلؔ آفندی، روپؔ کماری، بیدآر نجفی اور وفاؔ ملک پوری وغیرہ۔

ڈاکٹر نواز حسن زیدی لکھتے ہیں کہ تلامذہ کی اصلاح کے وقت تجم آفندی کے ہاں وہی جذبہ کارفرما ہے جسے عشقِ اہل بیت کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ تلامذہ کے کلام کی اصلاح کے لیے باقاعدہ اصول وضع کر رکھے تھے۔ شاگردوں کے خطوط کے جواب میں لکھتے ہیں۔ ''مجھے امید نہیں کہ جلد تمھارا کلام دیکھ کر بھیج سکوں گا۔ از روئے انصاف سلسلہ وار دیکھتا ہوں'' آج کل چار طرف سے پاکستان اور ہندوستان سے اصلاح کا کلام آ رہا ہے۔ سر اٹھانے کی مہلت نہیں۔ دماغ بھی کام دیتا ہے تو ہاتھ کانپتا ہے کس کس کو منع کروں اور کیسے ممکن ہے مدحِ اہل بیت کا مسئلہ ہے۔

مدت مشق سخن: تقریباً ستر (70) سال

مسافرت برائے شاعری: دہلی، کانپور، لکھنؤ، حیدر آباد، کراچی، کلکتہ، بنارس، لاہور ہی نہیں بلکہ دور دراز کے چھوٹے مقامات پر بھی تبلیغ پیامِ اہل بیت میں مشغول رہے۔ چنانچہ فیض آباد، بریلی، بارہ بنکی، سیتاپور، بھرت پور، اجین، مدراس اور بلرام وغیرہ کے لوگ بھی موصوف کے کلام کے دلدادہ رہے۔

زیارت عتبات عالیہ: 1950ء اگست میں زیارتوں کے لئے عراق گئے اور مختلف مقامات مقدسہ پر حاضری دی اور اپنے تاثرات کو منظوم لکھ کر ''تاثرات زیارت'' کے عنوان سے شائع کیا۔

تصنیفات: راقم کو کائنات تجم آفندی مرتب کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ تجم آفندی کی تصانیف تقریباً عنقا ہیں۔ تجم آفندی کی چالیس (40) سے زیادہ تصانیف شائع ہوئیں۔ سب سے پہلی تصنیف ان کے کلام کا مجموعہ 1917 میں اور آخری تصنیف

''لہو قطرہ قطرہ'' ان کے انتقال کے چار سال بعد 1979ء میں شائع ہوا۔ علامہ ضمیر اختر نقوی نے لکھا ہے کہ تجمّ آفندی نے حیات میں چند تصانیف مرتب کی تھیں مثلاً ''گلدستہ نعت'' ''مذہبی رباعیات'' ''قومی اور مذہبی نظموں کا مجموعہ'' ''خود نوشت سوانح حیات'' جو نامکمل رہ گئی تھی جو کبھی شائع نہ ہوئیں۔ نیز تجمّ کے مضامین کا کوئی مجموعہ بھی ترتیب نہیں دیا گیا۔

تجمّ مرحوم کی تصانیف کی فہرست جو ضمیر اختر نقوی نے مرتب کی ہے یہاں پیش کی جارہی ہے۔ باضافہ چند تصانیف جو بعد میں شائع کی گئی ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
1.	پھولوں کا ہار	1917ء	آفندی بک ڈپو، آگرہ	پہلا مجموعہ کلام۔ ادبی، اخلاقی قومی نظموں کا مجموعہ وہ نظمیں جو شیعہ کانفرنس میں پڑھی گئی تھیں۔
2.	قصائد تجمّ	1943ء	آفندی بک ڈپو، آگرہ	رباعیات (32) قصائد اور نظمیں (25)
3.	تہذیب مودّت	1943ء	تاج پریس، یوسف آباد، حیدرآباد	رباعیات (140)
4.	اشاراتِ غم حصہ اول	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (32) نوحے
5.	اشاراتِ غم حصہ دوم	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (33) نوحے
6.	اشاراتِ غم حصہ سوم	1938ء	احباب پبلشرز، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض (21) نوحے
7.	کربل کی آہ	———	کتب خانہ اثنا عشری، لکھنؤ	جدید نوحہ جات (9) نوحے
8.	آیاتِ ماتم	1361ھ	نظامی پریس، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض
9.	تصوراتِ غم	1943ء	مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	نوحوں کی بیاض

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
10.	کربل نگری	1361ھ	مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	سیزدہ صد سالہ یادگار حسینی پر لکھی گئی نظم (اردو۔ ہندی)
11.	اسلام پوتھی	1380ھ	امامیہ مشن لکھنؤ	طویل مثنوی، آغاز اسلام سے ہجرت حبشہ تک (اردو۔ ہندی)
12.	فتح مبین	1943ء	نظامی پریس لکھنؤ	ایک مرثیہ۔ 5 سلام، 9 رباعیات
13.	بیاضِ تجم	1950ء	مکتبہ سلطانی، بمبئی	نوحہ جات، (حصہ اول، 53 نوحے، حصہ دوم 81 نوحے)
14.	شاعرِ اہل بیت جیل میں	1939ء	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	قومی نظموں اور قطعات کا مجموعہ
15.	حسینی سنسار	1364ھ	مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	نوحہ جات
16.	کاروانِ ماتم	——	کتب خانہ اثنا عشری لاہور	(54) نوحے اور سلام
17.	پریم بھگتی	——	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	ہندی نظموں کا مجموعہ، اردو رسم الخط میں
18.	دارالسلام	——	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	جدید رنگ کے سلام
19.	تاثرات زیارت	1950ء	الکٹرک پریس، حیدرآباد	زیارت سے متعلق منظوم خراج عقیدت

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
20.	نصاب دینیات	1364ھ	مطبع حیدری، حیدرآباد	بچوں کے لئے مختصر دینی احکامات (نثر)
21.	شہیدوں کی باتیں	1952ء	رضا کار بک ڈپو، لاہور	کربلا والوں کے اقوال اور کارنامے (نثر)
22.	حسینؑ اور ہندوستان		مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	ہندوستان کا امام حسینؑ سے روحانی تعلق (نثر)
23.	لغات المذہب	1961ء	رضا کار بک ڈپو، لاہور	ایک ہزار مذہبی الفاظ پر مشتمل لغت (نثر)
24.	چوراماموں	1349ھ	زاویہ ادب، حیدرآباد	بچوں کے لئے مختصر اخلاقی افسانہ (نثر)
25.	چاند کی بیٹی	—	—	—(نثر)
26.	پھول مالا	—	—	—(نثر)
27.	معراجِ فکر	1959ء	رضا کار بک ڈپو، لاہور	مرثیہ
28.	اسرار و افکار	1971ء	ادارۂ قدر ادب، حیدرآباد	چار سو رباعیات وقطعات
29.	قصائد نجم	1372ھ	تاج پریس، حیدرآباد	سولہ (16) قصائد کا مجموعہ
30.	جانِ کربلا	1993ء	مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	(نوحے + سلام)
31.	معرکۂ غم		مکتبہ ناصری، گولہ گنج، لکھنؤ	(نوحے + سلام)
32.	دکھ کا ساگر		مکتبہ ناصری گولہ گنج، لکھنؤ	(نوحے + سلام)

نمبر شمار	نام کتاب	سن طباعت	مطبع	تفصیلات
33.	کاروانِ عزا	———	عزادار بک ڈپو	نوحے اور سلام
34.	ترقی کی برکتیں	———	———	———(نثر)
35.	قصاید قدسی	———	مطبوعہ شمسی پریس، آگرہ	قصائد
36.	ستارے	1364ھ	دکن اُردو اکادمی	نظموں کا مجموعہ
37.	بندۂ خدا	1969ء	کاظمی پرنٹنگ پریس حیدرآباد	ایک مذہبی ناول (نثر)
38.	نفس اللہ	———	دائرہ الکٹرک پریس، حیدرآباد	———(نثر)
39.	ترقی پسندوں کے نام	———	———	———(نثری کتاب)
40.	رباعیات نجم آفندی	———	امامیہ کتب خانہ لاہور	(145) رباعیات
41.	پنجتنی قصائد (غیر مطبوعہ)	———	———	قصائد
42.	رباعیات	1976ء	اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد	(30) رباعیات
43.	لہو قطرہ قطرہ	فروری 1979ء	پرنٹنگ محل، ناظم آباد کراچی	پچاس منتخب غزلوں کا مجموعہ

وطن پرستی اور انگریز نفرت: سچ تو یہ ہے کہ برصغیر نے علامہ نجم آفندی کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور آزادی کے بعد ع: منزل انھیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔

وطن دوستی انگریز نفرت اور قومی محبت نجم آفندی کے ریشہ ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ذیل میں چند واقعات اور حکایات ہمارے دعویٰ کے ثبوت ہیں۔

1. ابتدائی عمر میں جب اسکول میں کسی ہندو لڑکے سے جھگڑا ہونے کے بعد ان کے ہیڈ ماسٹر راج کمار کے جملہ "تم دونوں مل کر تیسرے کو کیوں نہیں مارتے؟" نے فوراً

انگریزوں کے خلاف متحد ہونے کی ترغیب دی۔ چنانچہ اپنی خود نوشت میں اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''میرے دل نے آواز دی کہ تیسرے سے مراد انگریز ہے جس کی غلامی کی صعوبتیں ہم برداشت کررہے ہیں لیکن اس کو مار بھگانے کی جسارت نہیں کرتے۔''

2. نجم آفندی کی کھدر پوشی سے تنگ آکر ان کے انگریز افسر نے ان کا تبادلہ سزا کے طور پر آسنول کردیا۔ چنانچہ بعد میں نجم نے تحریکِ ترکِ موالات سے متاثر ہوکر سرکاری ملازمت سے ہمیشہ کے لئے استعفیٰ دے دیا۔

3. انگریزوں کے استعمار سے بیزار ہوکر زمانہ طالب علمی میں ایک چھوٹی سی انجمن بنائی جس کا خفیہ ایجنڈا انگریزوں سے ان ہی کے ہتھیاروں سے مقابلہ اور قومی ملی یکجہتی تھا۔ اس انجمن کے ممبر ایک خاص قسم کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد یہ انجمن رشتوں کے بھائی کی سازش سے ختم ہوگئی۔

4. سرکاری ملازمت سے علاحدگی کے بعد قومی اور مذہبی رجحان نے تقویت پائی چنانچہ ایک طویل پچیس (25) بند کی نظم ''دُرِیتیم'' لکھی جو ''پھولوں کا ہار'' مجموعۂ کلام میں شامل ہے اور اس نظم کے ساتھ یہ نوٹ بھی لکھا ہے کہ یہ وہی نظم ہے جس نے شیعہ کانفرنس کے آٹھویں اجلاس منعقدہ الہ آباد میں حشر برپا کردیا تھا اور جس پر راجہ سید ابوجعفر صاحب نے ساڑھے چار ہزار روپے نچھاور کردیے تھے۔

5. نجم آفندی نے اپنی تصنیف ''ترقی کی برکتیں'' میں ہندو مسلم اتحاد پر زور دیتے ہوئے لکھا۔ اس وقت ہندو مسلم اتحاد کی بہترین صورت یہ ہے کہ دونوں قوموں کے نوجوان اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے طاقت ور بازوؤں کا صحیح مصرف کریں اور اپنے مضبوط ہاتھوں سے فساد روک کر ملک کی سب سے بڑی خدمت کریں۔

6. نجم آفندی جلیس ترمذی کے خط میں لکھتے ہیں: ہندو قوم کے افراد نے گاندھی جی کو ختم کرکے دنیا کو یہ بتادیا ہے کہ ہندوستانی ذہنیت کہاں تک پست ہوسکتی ہے۔

7. نجم آفندی کانگریسی تھے اور اسی لئے کانگریسی مشاعرے بھی کروائے۔ ایک مشاعرے

میں تو ردیف ''کھدر'' رکھی گئی۔ انگریز دشمنی اور وطن دوستی نے تجمّم کو کانگریسی بنا دیا۔ اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں۔ ''ہم نے ایسے بھی مشاعرے کیے ہیں جن کا مقصد حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا تھا۔ ایسے مشاعروں کو کانگریسی مشاعروں کا نام دیا جاتا تھا۔ میرے ایک دوست برہم سروپ خارمیرٹھی میری طرح پکے کانگریسی تھے۔

8. ترقی کی برکتیں میں لکھتے ہیں: ''ہندوستان کی بدقسمتی سے ہندو مسلم اختلاف پیدا ہوا۔ تضاد بڑھنے لگا اور آج وہ نوبت آئی کہ مسلم لیگ کو پاکستان کی تجویز پیش کرنی پڑی۔

صدمات: 1. سرکاری نوکری سے استعفیٰ کے بعد مالی بحران سے دوچار رہے۔ ماہنامہ ''مشورہ'' جاری کیا لیکن مالی حالت بدتر ہوگئی۔

2. پرنس معظم جاہ کے شاہانہ مزاج کو برداشت نہ کر سکے اور نوکری ترک کردی۔ کچھ دنوں کی فارغ البالی پھر مالی بحران میں تبدیل ہوگئی۔

3. 1953ء میں والد کا انتقال ہوگیا۔

4. 1958ء میں اہلیہ کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔

5. برادر خرد کوکب آفندی اور دو بیٹیوں کا پاکستان میں ہمیشہ کے لئے آباد ہونا۔

علالت اور مرض الموت: تجمّم آفندی کو پرنس معظم جاہ شجیع کی درباداری نے نیند کی گولیوں کا محتاج کردیا تھا، چنانچہ آخری عمر تک ان زہریلی دواؤں کا اثر باقی رہا۔ اعصاب میں تناؤ کم خوابی، لاغری اور ضعف کے علاوہ آخری عمر کے حصے میں معدہ، جگر، قلب کی بیماریاں اور رعشہ و ثقل سماعت سے دوچار رہے۔ آخری عمر جو پاکستان میں گزری عموماً بہت کم باہر نکلتے تھے اور زیادہ تر بستر پر لیٹے رہتے تھے۔

پاکستان میں: 1. تجمّم آفندی پہلی بار اپریل 1971ء میں بمبئی سے بحری جہاز میں سوار ہوکر کراچی کی بندرگاہ پر اترے۔ کراچی میں چند مہینے قیام کرکے وہ لاہور گئے پھر کراچی آتے جاتے رہے۔ تجمّم صاحب محافل شعر و سخن، مشاعروں مسالموں، مقاصدوں اور مجلسوں میں شرکت فرماتے رہے۔ پاکستان میں تقریباً ہر بڑے اور معروف ادیب،

شاعر اور خطیب سے ملاقاتیں رہیں۔ ان کا کلام روزناموں، رسالوں، جریدوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتا رہا۔ پاکستان کے مختلف شہروں میں قیام کے دوران بعض اوقات اپنی یادداشتیں ایک ڈائری میں بھی مرتب کیں جو ان کی ملاقاتوں اور محفلوں کی عمدہ یادگاریں ہیں۔

وفات : تاریخ 17/ذی الحجہ 1395ہجری مطابق 21/دسمبر 1975ء

وقت : ½ 9 بجے صبح

مقام : کراچی

دن : اتوار

غسل میت : وصیت کے مطابق مکان پر ہوا

نماز میت : بارگاہ رضویہ سوسائٹی میں پڑھائی گئی

دفن : سخی حسن دربار کے قبرستان واقع نارتھ ناظم آباد ہوا۔ شفیق اکبر آبادی نے تلقین پڑھائی۔ سوئم کی مجلس رضویہ سوسائٹی کے امام باڑے میں ہوئی۔ سید ضمیر نقوی صاحب نے مجلس پڑھی۔ جنازہ میں صرف پچیس تیس افراد نے شرکت کی۔

قطعات، اشعار اور مصرعہ تاریخ وفات

1. جناب نسیم امروہوی:

لکھ دو نسیم باکمال قبر پہ سالِ انتقال

بقعۂ پاک محوِ خواب شاعرِ اہلِ بیت نجم

1975ء

2. جناب رئیس امروہوی:

فراق نجم آفندی مرحوم

"غروب انجم نجم" اے قلم لکھ

1395ھ

3. جناب فیض بھرت پوری:

رحلت شاعرِ فنا فی اللہ
نجم آفندی اکبر آبادی

1975ء

4. جناب ساحر لکھنوی

سال رحلت کے لئے قبر پہ لکھ دو ساحر
نجم ہے دامنِ مدفن میں ستارے کی طرح

1395ھ

5. جناب کسرتی منہاس:

دُر یک دانہ نکتہ داں شاعر

1395ھ

شاعرِ نکتہ داں گرامی تبار

1975ء

6. جناب نیساں اکبر آبادی

تذکرہ اہلِ بیت جس کا تھا شغل سخن
خلد میں وہ آگیا شاعرِ شیریں نوا

1975ء

7. جناب خلش پیر اصحابی:

الف سے الم کے خلش اب تو یوں
ہے لکھا غم نجم دائم رہا

1395ھ = 1394 + 1

8. جناب باقر امانت خوانی:

اس طرح باقر نے کھینچا منظرِ سال وفات
اب فلک سے شاعری کے نجم ٹوٹا جلوہ ریز

1975ء

9. پروفیسر فیضی:

بتائیدِ الٰہی یہ شرف فیضی انہی کا تھا
عزادارِ شہید کربلا تھے تجمّ آفندی

1975ء

10. جناب شائق زیدی:

رہے وہ اے شائق بہ تجمّل — شاعرِ اہل بیتؑ جہاں میں
پڑھتے ہوئے آیاتِ ماتم — تجمّ گئے ہیں باغِ جناں میں

1395ہجری

11. جناب فضل الدین فدا

تعزیت نامہ پاسدار اہل حق

1395ہجری

وفاتِ حسرت آیات جلیل القدر

1975ء

مرجعِ کرم خسروِ اقلیمِ دانش

1975ء

برگزیدۂ رحمٰن نازشِ ملّت تجمّ آفندی اعلیٰ اللہ مقامہ

1975ء

وحیدِ زماں بلند آستاں نور اللہ مرقدہ

1395ہجری

یہ صدمہ کس قدر غم آفریں ہے — نظر بے چین دل اندوہ گیں ہے
فدا لکھ تجمّ کی تاریخ رحلت — بلا شک ساکنِ خلدِ بریں ہے

1395ہجری

تعداد کل کلام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ

علاّمہ نجم آفندی

نمبر شمار	صنفِ سخن	تعداد	تعداد اشعار
.1	غزلیں	195	1932
.2	رباعیات	591	1182
.3	قطعات	498	1001
.4	نعت	16	304
.5	قصاید	81	2519
.6	سلام	107	1375
.7	مراثی	3 (209 بند)	627
.8	نوحے	144	2237
.9	تاثیر زیارات	10	128
.10	متفرقات	83	1036
.11	ہندی کلام	18	458
			کل اشعار = **(12799)**

جناب امیر امام حُر

نجم آفندی کی ہندی شاعری

جناب نجم آفندی سے مجھے پہلی بار شرف زیارت جب حاصل ہوا جب وہ لکھنؤ کے 1939ء والے شیعہ ایجی ٹیشن کے بعد جیل سے نکل کر آئے اور بجائے حیدرآباد دکن واپس جانے کے لکھنؤ ہی میں قیام کو ترجیح دی۔ میرے خالو صاحب، جناب سید حسن مہدی (برادر جناب سید محمد مہدی، راجہ صاحب پیر پور) سے جناب نجم آفندی کی ملاقات اور تعارف غالباً جیل میں ہوا تھا۔ چنانچہ انھوں نے موصوف سے گزارش فرمائی کہ ان کے بڑے بیٹے، سید حسین مہدی سلمہ کو اردو اور فارسی کی تعلیم اور ادبی تعلیم دے دیں۔ اس سلسلے میں جناب نجم آفندی کا قیام محمود آباد ہاؤس، قیصر باغ میں تقریباً دو سال رہا، جس کے بعد وہ پھر حیدرآباد دکن واپس چلے گئے۔

اس دو سال کی قلیل مدت میں میں نے جناب نجم آفندی کو کافی قریب سے دیکھا۔ البتہ اس زمانے میں میری عمر اتنی نہ تھی کہ موصوف کی ادبی شخصیت کی پوری معرفت حاصل کرتا۔ (میری ولادت جنوری 1928ء کی ہے اور میں اس دوران میں لڑکپن اور نوجوانی کے درمیان میں تھا) لیکن نجم آفندی کی ادبی و شعری شخصیت سے بغیر تھوڑا بہت متاثر ہوئے، شاید ہی کوئی اس زمانے میں رہا ہو۔

جناب سید آلِ رضا صاحب دام مجدہٗ، جناب جوشؔ اور جناب نجمؔ، یہ تینوں حضرات اس زمانے میں مرثیہ سرائی شہدائے کربلا کو اپنے اپنے مخصوص و منفرد انداز میں ایک نیا رنگ دے رہے تھے۔

انیسؔ و دبیرؔ، وعشقؔ و تعشقؔ و اوجؔ و نفیسؔ کے زمانے سے لے کر ان تینوں حضرات یعنی سید آلِ رضاؔ، جوشؔ اور نجم آفندی کے عہد تک جو فکری و ادبی تغیرات تمام دنیا میں اور برصغیر میں واقع ہو چکے تھے اس سے کوئی سماج اور مجمع بغیر متاثر ہوئے نہیں رہ سکتا تھا۔ ہمارے زمانے تک وہ

سابق اودھ کا افق پھیل کر عالمی بن چکا تھا۔ انگریزی تعلیم، انگریزی اردو، عربی اور فارسی زبانوں کی کتابوں کی طبع ونشر و اشاعت، اخباروں اور پھر ریڈیو کی خبروں کے ذریعے سے دنیا بھر کی اطلاعات اور معلومات وغیرہ، ان سب کا لازمی نتیجہ ہمارے اذہان کے آفاق کی غیر متوقع توسیع تھی اور اب ہم سب ہی اس کے قبل والی ذہنیتوں کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ تھے، لیکن ایک تخلیقی ذہن اور ادبی صلاحیت والی شخصیت میں اور ہم سب کے ذہن اور صلاحیت میں یہی فرق ہوتا ہے کہ چاہے احساس کم وبیش ہم سب کو ہو، لیکن قیادت وہی کرتے ہیں جن میں غیر معمولی تخلیقی استعداد ہوتی ہے۔

چنانچہ مرثیہ سرائی شہدائے کربلا میں جن حضرات نے ہمارے عہد میں اس تخلیقی کام اور ادبی قیادت کو پورا کیا، ان میں ان تینوں حضرات یعنی سید آل رضاؔ، جوشؔ اور نجم آفندی کو شاید اولیت حاصل ہے۔

جناب نجمؔ کی مرثیہ سرائی، سید آل رضاؔ اور جوشؔ دونوں حضرات سے مختلف انداز رکھتی ہے۔ جوشؔ کی مرثیہ سرائی ان کی انقلابی شاعری اور ان کی آزادفکری کی ایک تحدید ہے۔

سید آل رضاؔ کی مرثیہ سرائی اور نجم آفندی کی مرثیہ سرائی اس بات میں مشترک نظر آتی ہے کہ دونوں کے یہاں بے انتہا خلوص وعقیدت کا گہرا احساس ہوتا ہے، لیکن جہاں سید آل رضا کے مراثی میں لکھنؤ کی زبان کی مٹھاس کے ساتھ ساتھ نئے خیالات و افکار کی تازگی ہے، وہاں نجم آفندی کی مرثیہ سرائی میں ہندی زبان کے ادب کے اثرات اور ہندوستان کی دنیا کی انفرادیت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ میرا ذاتی تاثر پورے طور پر معروضی نہ ہو، لیکن مجھے ہمیشہ نجم آفندی کی ہندی زبان میں مرثیہ سرائی، ان کی اردوزبان کی مرثیہ سرائی سے زیادہ موثر محسوس ہوئی۔

کم ازکم امیر خسروؔ کے عہد سے لے کر اب تک جو ہندی ادب مسلمانوں کے دوران حکومت میں اور پھر انگریزی حکومت اور آزادی برصغیر کے عہد میں وجود میں آیا ہے، وہ خود بہت وسیع اور متنوع ہے۔ کبیر داس کے دوہوں سے لے کر جالی جی (جمیل الدین عالیؔ) کے دوہوں تک جو ہندی ادب ہمارے سامنے ہے، وہ کسی طرح اردو ادب سے کم ادبی اہمیت نہیں رکھتا۔ آرزوؔ لکھنوی کی خالص اردو اسی ہندی ادب اور اردو ادب کے درمیان ایک نہایت دلچسپ تجربہ ہی نہیں

ہے، بلکہ ایک بہت شگفتہ ادبی تخلیق ہے۔ آرزو لکھنوی کی ''سریلی بانسری'' جو خالص اردو میں نظموں کا گلدستہ ہے، اپنی شیرینیِ زبان اور لطافتِ احساس میں آپ اپنا جواب ہے۔ اس میں دو نظمیں قابلِ توجہ ہیں جو ایک ہی زمین میں تو ہیں لیکن ایک عاشقانہ غزل ہے اور دوسری رثائی نظم ہے۔ قافیہ برسا، ٹھہرا، وغیرہ اور ردیف پانی۔ اور اس مشکل زمین میں اور بر خود عائد کردہ خالص اردو کی قید کے باوجود، یہ دونوں بے تکلف انداز اور برجستگی و بیساختگی میں آمد کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہیں۔

نجم آفندی نے ہندی زبان میں جو مرثیہ سرائی کی ہے وہ بھی اسی طرح آمد میں آپ اپنی مثال ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی ہندی زبان کی مرثیہ سرائی میں ان کی خلوصِ عقیدت اور بھی زیادہ اس لیے واضح نظر آتی ہے، چونکہ ہندی زبان کی سادگی اور بیساختگی نجم آفندی کی شاعری کی اس خصوصیت کو اور بھی زیادہ اجاگر کردیتی ہے۔ اس کا دوسرا سبب شاید یہ بھی ہو کہ نجم آفندی کی مرثیہ سرائی کا جو مقصد تھا وہ تبلیغ تھا اور اردو سے زیادہ یہ مقصد ہندی کے ذریعے حاصل ہوتا تھا۔ ان کو اس کا شدید احساس تھا کہ ایک زمانہ وہ آئے گا جب دنیا بھر حسین ابنِ علیؑ اور ان کے رفقاء کی شہادت کے پیغام اور مقصد کو سمجھ کر دکھ اور درد کی دنیا سے پوری طرح ہمدردی کا احساس کرنے لگے گی۔ لیکن ایک ہندوستانی کی حیثیت سے اور برصغیر کے ایک باشندے ہوتے ہوئے نجم آفندی کو شاید یہ محسوس ہوتا ہوگا کہ ان کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ ہندوستان کی اکثریت کو اسلام کی اس دکھ بھری کہانی، یعنی واقعہ کربلا سے آگاہ کریں اور اس مقصد کے لیے ہندی زبان سے زیادہ کوئی اور زبان مناسب نہ تھی۔ شاید یہی سبب ہے کہ جیسا مجھے ذاتی طور پر محسوس ہوتا ہے، نجم آفندی کی ہندی زبان کی مرثیہ سرائی، ان کی اردو زبان کی مرثیہ سرائی سے بھی زیادہ مؤثر ہے۔

نجم آفندی کی اس فکر و نظر کا ثبوت ان کی ایک نثری تصنیف سے بھی ملتا ہے جو انھوں نے بعنوان ''حسین اور ہندوستان'' اس موضوع پر لکھی ہے کہ جناب سید الشہداء کا ایک ارادہ یہ بھی تھا کہ اگر انھیں تبلیغ اسلام کے لیے ہندوستان جا کر اخلاق حسنہ سے اسلام کی دعوت دینا ہو تو انھیں جانے کا موقع دیا جائے۔

نجم آفندی کی ہندی زبان کی مرثیہ سرائی کی جو مثالیں اس وقت تک میری نظر سے گزری ہیں ان میں من جملہ ''اسلام پوتھی'' ''کربل نگری'' کے، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ جو کچھ ماقبل

کی سطروں میں کہا گیا ہے، غلط نہیں ہے۔ ''دکھ کا ساگر'' ''کھیون ہار'' ''حسینی سیوا'' ''پریم پنچھی'' اور ''دھرم پربت'' بھی ہیں۔ اول الذکر نسبتاً طویل ہیں لیکن آخر الذکر بہت درد بھری اور موثر ہیں۔ ان میں سے چند اشعار کا اقتباس بطور مثال اور بغرض شواہد، قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ آیا جو کچھ اوپر کی سطروں میں عرض کیا گیا ہے، وہ درست ہے یا نہیں۔

کربل بن سے چلے مسافر باجت کوچ نقارا　　ایک اک سیس انی پر چمکے چمکے جیسے تارا
سب سے لانبی برچھی پر دہ سیس حسینؑ سوامی کا　　بھرے پُرے سنسار میں جس کو بھوکا پیاسا مارا
پریم کی نیا ڈوب رہی تھی کیسی پار لگائی　　اپنے لہو میں ڈوب کنارے لایا کھیون ہارا
جان گئے پردیسی دیسی جھوٹی سانچی مہما کو　　ہار ہے کس کی جیت ہے کس کی مان گیو جگ سارا
ہنس ہنس دکھ کی کڑیاں جھیلیں جگ کو یہ اُپدیش دیا　　اپنے دم کا آس بھروسہ مالک نام سہارا
نگری نگری دھوم مچی ہے واہ حُسینؑ بابا کی　　کربل بن میں دیا جلا یو سارا جگت اجیارا

(کھیون ہار)

اندھیارا پاپ کے بادل کا سنسار پہ جب چھا جاتا ہے
اک چاند سروپی سورج روپی مکھڑا درس دکھاتا ہے
جب مایا جگ کو کھاتی ہے جب ایسی بپتا آتی ہے
جب مالک آنکھ بدلتے ہیں اک بندہ آڑے آتا ہے
اک جینا مرنا اُن کا ہے جو جیتے ہیں مر جاتے ہیں
اک جینا مرنا اُس کا ہے جو مر کے امر ہو جاتا ہے
جاگی ہوئی کب کی آنکھیں تھیں خنجر کے تلے بھی آہ نہ کی
سکھ نیند اُسی کو آتی ہے جو سوتی قوم جگاتا ہے
بھاشا کے رسیلے شبدوں میں دکھ روپ کہانی کربل کی
محنت یہ سوارت ہو مجھی یوں کون کسے سمجھاتا ہے

(دھرم پربت)

شبیر کے تن کی بستی میں شبیرؑ کا من کیا ہیرا تھا
اس دیپ کی لَو بڑھتی ہی رہی آنکھوں میں اندھیرا چھائے گیا

سنتے ہیں کہ دھرتی کانپ گئی تلوار وہ کی تلوار یئے نے
جو بھور سے لے کر سانجھ تلک لاشیں ہی اٹھا کر برسائے گیا

کیا تیروں کی بوچھاروں میں اُپدیش کی میٹھی باتیں تھیں
سب اپنے لہو کے پیاسوں پر وہ امرت جل برسائے گیا

سنسار کو ست کی شکتی سے گھر بار لٹا کر موہ لیا
سودا ہے ذرا اک جوکھم کا جو کھوئے گیا وہ پائے گیا

اب جا کے ہمالہ پربت سے لے ماتم کی ٹکراتی ہے
اس دیس کی نجمی دور بلا جس دیس پہ یہ غم چھائے گیا

(پریم پنتھی)

جی دے کے یہ سورگباش ہوئے کونے کے ادھرمی ناش ہوئے
شبیرؑ کا بول بالا رہا اسلام کی اونچی بات رہی

سانچے ہی رہے جو سانچے تھے یاں سانچ کو کوئی آنچ نہیں
دشمن ہی کو سب نے دوش دیا اور ان کے لیے صوات رہی

ایشر کی دیا لہرائے گی آکاش کی بانی آئے گی
دکھ درد کی جتنی دھوپ بڑھی سنتوش کی بدلی چھات رہی

اب راجا پرجا چوکھٹ پر سب سیس نوائے بیٹھے ہیں
جب چھوڑ کے دنیا دین لیا دنیا بھی انھیں کے ہات رہی

جب آئے حسینی سیوا میں سب ہندو مسلم ایک ہوئے
مل جائیں گے جی دل بھی کبھی جب اُن کی نجر پر بات رہی

(حسینی سیوا)

سنسار کا چاہا اُس نے بھلا کٹوادیا کنبے بھر کا گلا
شبیرؑ کے من کے سانچے میں کرتار نے بھگتی ڈالی تھی
مارے گئے ست کی سیوا میں دھنباد ہے ایشر بھگتوں کو
مکھڑوں پہ لہو کی لالی سے بڑھ بڑھ کے خوشی کی لالی تھی
یہ جی سے گزرنے والے تھے یہ بات پہ مرنے والے تھے
کب موت سے ڈرنے والے تھے سو بار کی دیکھی بھالی تھی

(دکھ کا ساگر)

ان مثالوں سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ ہندی زبان میں تجمل آفندی نے بڑی غیر معمولی کامیابی کے ساتھ ان باتوں کو کہا ہے جو ہم شاید اردو ہی میں ادا کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، اور ان کی اس کامیابی میں ان کے اِس خلوص کا بڑا حصہ ہے جو ان کا تبلیغی مقصد تھا یعنی حسینیؑ پیغام اور اسلامی اصول کو آفاقی و عالمی ثابت کر کے اُس کی طرف دعوت دینا۔ لیکن جس طرح ہر اچھی بات پہلے اپنے نزدیک ترین لوگوں سے کہی جاتی ہے اور اس کا ثبوت خود اسلام کی تاریخ کے اس اہم واقعے یعنی دعوت عشیرہ سے ملتا ہے، اسی طرح تجمل آفندی نے یہ ضروری سمجھا کہ اپنے وطن یعنی ہندوستان کی اکثریت کو مخاطب کر کے حقیقی اسلام کے اصول کو ان کے لیے اجاگر کریں اور اس کے لیے دو باتیں ضروری تھیں، ایک تو واقعات و امور دین سے سب سے اہم واقعے کا انتخاب، جو ان کی نظر میں واقعۂ کربلا ثابت ہوا اور دوسرے زبان کا انتخاب، جو ظاہر ہے کہ اکثریت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندی زبان ہی مناسب تھی۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ تجمل آفندی نے اپنے ان فیصلوں میں بڑی بصیرت سے کام لیا اور ہمیں ان کی اس بصیرت اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری کی خوبیوں کا قائل ہونا پڑے گا۔''

نجمؔ آفندی
کا
ھندی کلام

1.	کربل نگری	(115) اشعار
2.	اسلام پوتھی	(158) اشعار
3.	جگت گرو	(9) اشعار
4.	کھیون ہارا	(12) اشعار
5.	دکھ کا ساگر	(11) اشعار
6.	پریم پنچھی	(11) اشعار
7.	دھرم پربت	(14) اشعار
8.	حسینی سیوا	(11) اشعار
9.	پریم کہانی	(11) اشعار
10.	ست کی سیوا	(16) اشعار
11.	ست جگ کا ستارہ	(26) اشعار
12.	درشن کا اُجالا	(12) اشعار
13.	قیدی کا راگ	(6) اشعار
14.	کوچ کا ڈنکا باجت ہے	(7) اشعار
15.	آؤ سہیلی جیل چلیں	(8) اشعار
16.	پنتھ نارا کے دن	(7) اشعار
17.	حسینی درشن	(12) اشعار
18.	پردیسی	(12) اشعار

کربل نگری

سن ساٹھ تھا سنسار میں ڈالے ہوئے ڈیرا
چھایا ہوا تھا پاپ کے بادل کا اندھیرا

بھولا ہوا تھا پالنے والے کو زمانہ
دھرتی پہ غریبوں کا نہ تھا کوئی ٹھکانہ

اسلام تھا اِک خون میں ڈوبا ہوا لاشہ
روزوں کی ہنسی تھی تو نمازوں کا تماشہ

شیطان کے بندوں نے مٹا رکھا تھا اسلام
تلوار کی شکتی کو بنا رکھا تھا اسلام

سُکھ روگ کی اگنی میں تھیں دہکی ہوئی نظریں
مایا کے چمتکار سے بہکی ہوئی نظریں

ہر بات بناوٹ تھی تو ہر کام میں تھا کھوٹ
سونے کی ملاوٹ سے تھا جیون میں نرا کھوٹ

انیائے کا تھا راج تو اپرادھ کی جے تھی
قرآن کے اُپدیش کی بدلی ہوئی لے تھی

چھوڑے ہوئے ست دھرم کی چاہت کو یزیدی
سنگوائے ہوئے بیٹھے تھے دولت کو یزیدی

عزت کا غریبوں کے لیے کال پڑا تھا
مایا کا جو مالک تھا وہی سب میں بڑا تھا

دنیا کے مزے ظالمِ شامی کے لیے تھے
کمزور، امیروں کی غلامی کے لیے تھے

ہاتھوں میں نہ کَس بل تھا نہ تھی خون میں گرمی
دس بیس جو دھرمی تھے ہزاروں تھے ادھرمی

کہلاتی تھی اچھی وہی، جو بات بُری تھی
اچھائی کی گردن میں حکومت کی چھُری تھی

بے رحم نگاہیں یہ مزے لوٹ رہی تھیں
مزدور کے سینے کی رگیں ٹوٹ رہی تھیں

لائی تھیں مہا پاپ کی برسات شرابیں
پانی کی طرح اُڑتی تھیں دن رات شرابیں

سنسار نظر آیا جو اُپدیش کا پیاسا
کوفہ کو چلا گھر سے محمدؐ کا نواسا

اِچھا تھی کہ گرتی ہوئی دیوار سنبھالے
اللہ کے بندوں کو بُرائی سے بچالے

تلوار نہ رستہ میں اُٹھائی تھی کسی پر
لڑنے کا نہ ساماں نہ چڑھائی تھی کسی پر

لپٹے تھے وہ چرنوں سے جو تھے چاہنے والے
کچھ ساتھ کے کھیلے ہوئے، کچھ گود کے پالے

ساتھی بھی وہ پائے جو رشی اور منی تھے
بچے بھی تو اس گھر کے گیانی تھے گنی تھے

بھارت کے بسیّا نہ انہیں ہاتھ سے کھوتے
کہلاتے وہ اوتار جو اس دیش میں ہوتے

شبیرؑ کے قبضہ میں تھا لشکر نہ ریاست
سچائی کی پونجی تھی اور اولاد کی دولت

کرتار کی مایا تھی نہ اپنی نہ پرائی
بیٹا تھا برابر کا برابر کا تھا بھائی

مائی کی کمائی تھی بہن کے تھے دُلارے
دھرتی میں چمکتے ہوئے آکاش کے تارے

سب چھوٹے بڑے مل کے تھے گنتی میں بہتّر
اتنے ابھی کم سن تھے کہ جھولے میں تھے اصغرؑ

اٹھارہ برس والے تھے نانا کی نشانی
تھی روپ میں اکبرؑ کے پیمبرؐ کی جوانی

سب کہتے تھے ماں باپ کے سائے میں بڑھیں گے
کنبہ کو یہ آشا تھی کہ پروان چڑھیں گے

پردہ میں تھیں کچھ بی بیاں چہروں کو چھپائے
سہمے ہوئے بچوں کو کلیجہ سے لگائے

یثرب سے نکل کر کہیں آرام نہ پایا
رستہ وہ کٹھن جس میں نہ پانی تھا نہ سایا

وہ دھوپ کڑی اور وہ گرمی کا مہینہ
بہتا ہوا وہ چاند سے ماتھوں سے پسینہ

مُرجھائے ہوئے دھوپ میں تھے، پھول سے چہرے
سنولائے ہوئے روپ میں تھے، پھول سے چہرے

کوفہ بھی نہ پہنچے تھے ابھی سیدِ والا
رستہ میں ملا شام کے حاکم کا رسالہ

تھی شہر میں شبیرؑ کے جانے کی مناہی
ناکہ پہ تھے ایک ہزار ایک سپاہی

آپے میں مگر کوئی نہ چھوٹا نہ بڑا تھا
اک ایک جواں موت کے چکر میں پڑا تھا

تپتا تھی کڑی دن کو نظر آتے تھے تارے
جنگل میں پڑے پھرتے تھے سب پیاس کے مارے

جانے کو تھیں پانی کے لیے ہاتھ سے جانیں
گھبرا کے نکل آئی تھیں ہونٹوں پہ زبانیں

سردار بھی، لشکر بھی تھا جینے سے نراسا
رحم آگیا سیدؑ کو انہیں دیکھ کے پیاسا

پُن کرکے بھی شرمائے جو داتا ہو تو ایسا
دشمن پہ ترس کھائے جو داتا ہو تو ایسا

ہونٹ اس کے ہلے کھل گئے مشکوں کے دہانے
اِک آن میں سب لُٹ گئے پانی کے خزانے

برکھا کی جھڑی بن کے برستا رہا پانی
سوکھے ہوئے جنگل کی زمیں ہوگئی دھانی

کیا دل تھا کہ اپنے لیے قطرہ نہ بچایا
سب پی چکے جب گھوڑوں کو اونٹوں کو پلایا

جب پیاس بجھی بھول گئے موت کا آنا
گن ایک نے بھی جان بچانے کا نہ مانا

جان آگئی دیہی میں یہ دو گھونٹ جو پی کے
پہنچا دیا مقتل میں نواسۂ کو نبیؐ کے

پردیس میں دھوکے سے بُلا کر اُسے مارا
احسان کا یوں بھی کوئی کرتا ہے اُتارا

جلتی ہوئی ریتی پہ بسے پیاس کے مارے
خیمے بھی نہ رہنے دیے ندی کے کنارے

سب گھاٹ کو روکے ہوئے بے شرم کھڑے تھے
تپتے ہوئے میدان میں مہمان پڑے تھے

پھر فوج پہ فوج آنے لگی شام نگر سے
بصرہ سے کبھی اور کبھی کوفے کی ڈگر سے

ایسی ہوئی جنگل میں ستم گاروں کی بھرتی
تلواروں کی جھنکار سے ہلنے لگی دھرتی

بھر مار تھی کوفہ سے یہ کربل کی زمیں تک
چالیس ہزار آئے محرم کی نویں تک

بھر پور تھے ان جل سے اُدھر دُشمنِ جانی
یاں ساتویں تاریخ سے کھانا تھا نہ پانی

حاکم کا سندیسہ تھا کہ مرنے کی نہ ٹھانو
جان اپنی ہے پیاری تو حکومت مری مانو

سو طرح کی تکلیف تھی سو پھیر پڑے تھے
پر بات پر اپنی یہ جواں مرد اڑے تھے

ساونتوں نے کس ٹھاٹھ سے یہ رات گزاری
سب موت کی سیوا میں رہے ست کے پُجاری

ایک ایک کو تھی فکر کہ ہتھیار سنواریں
دیکھی گئیں پرکھی گئیں تلواروں کی دھاریں

سب کرتے تھے ست دھرم پہ مرنے کی دعائیں
بچوں کو اُدھر خیمہ میں سمجھاتی تھیں مائیں

دیکھو کہیں میدان میں عزت نہ گنوانا
دو جگ کو رہے یاد وہ تلوار چلانا

دسویں کی ہوئی صبح تو دولہا سا بنا کر
بھیجا انہیں ماں بہنوں نے ہتھیار سجا کر

کیا دیکھنے کا ذکر ہے سننے میں نہ آئی
چالیس ہزار اور بہتر کی لڑائی

مولا کا سپاہی نہ بڑھا تھا کوئی صف سے
تیر آئے پہل ہوگئی دشمن کی طرف سے

شبیرؑ نے پھر بڑھ کے یہ اُپدیش سُنایا
تم نے مجھے خط لکھ کے ہے مہمان بُلایا

گردن پہ نہ لو خون یہ سودا نہیں سستا
میں ہند چلا جاؤں گا دیدو مجھے رستا

اُس فوج کے افسر نے سُنی جب کہ یہ بانی
رستہ میں جسے آپ نے پلوایا تھا پانی

شرما گیا کرنی پہ کہ ہردے میں دَیا تھی
مرنے کے لیے ہوگیا شبیرؑ کا ساتھی

اک بیٹا تھا، اک بھائی تھا اور ایک تھا چاکر
سب ساتھ ہوئے پریم ڈگر سامنے پاکر

اُس فوج سے اللہ کے پیارے نکل آئے
بادل کو ہٹا کر یہ ستارے نکل آئے

سو روک پہ بے کام کیے رہ نہیں سکتی   سنسار سے کہہ دو کہ یہی ست کی ہے شکتی
سونے کی طرح ست کی کسوٹی پہ کھرے تھے   پہلے یہی رَن وِیر جواں لڑ کے مرے تھے
جب ٹھن گئی ایک ایک بھی دو دو بھی سدھارے   ایک ایک نے سو سو کو کیا گور کنارے
کم سن تھے جو بچے وہ بہت رن میں اڑے ہیں   دن کھیلنے کے جن کے تھے کیا کیا وہ لڑے ہیں
جس ماں کا گیا لال وہ دروازے پر آئی   لکھا ہے کہ خود پردے سے دیکھی ہے لڑائی
سنتے چلے آئے ہیں کہ ایسا بھی تھا کوئی   شبیرؑ کے انصار میں دولہا بھی تھا کوئی
اس عمر میں یوں موت بھلا کس نے ہے چاہی   سو سال کے بوڑھے بھی تھے آقا کے سپاہی
وقت آتے ہی ہونے لگیں بپتا میں نمازیں   پڑھنے لگے سب تیروں کی برکھا میں نمازیں
سینوں کو سپر کردیا ہر تیر کے آگے   دو ویر کھڑے ہوگئے شبیرؑ کے آگے
اِک مرگیا اُن میں کا مگر منہ کو نہ موڑا   دم توڑ دیا پریم کے بندھن کو نہ توڑا
عباسؑ سا اب ایک بھی شیدائی نہ ہوگا   سوتیلا تھا ایسا کہ سگا بھائی نہ ہوگا
کانپی ہے زمیں نہر کی رن ایسا پڑا ہے   جب گھاٹ پہ مشک اور عَلم لے کے لڑا ہے
سرکائے تو اِس ڈھب سے کوئی فوج کا ریلا   دریا کوئی چھینے تو ہزاروں سے اکیلا
دریا پہ جو پیاسا کوئی رہ جائے تو مانیں   پانی نہ پئے پیاس میں دو دن کی تو جانیں
پانی کو وفادار نے منہ بھی نہ لگایا   بچوں کے لیے مشک بھری اور پلٹ آیا
پھر فوج سمٹ آئی علم دار کو گھیرا   تیر اتنے چلے چھا گیا جنگل میں اندھیرا
آس اُس نے نہ دی ہاتھ سے ہاتھوں کو کٹا کر   ساونت بڑھا مشک کو دانتوں میں دبا کر
نکلا ہے کبھی اور کبھی فوجوں میں گھرا ہے   جب تیر پڑا مشک پہ گھوڑے سے گرا ہے
اکبرؑ کا وہ روپ اور وہ مر جانے کا ارماں   خیمہ سے نکل آیا تھا جنگل میں چندر ماں
کس شوق سے ماں باپ نے دیکھی ہے لڑائی   بابا نے جواں بیٹے کی خود لاش اٹھائی
کیا دُکھ سے بھری ہے علی اصغرؑ کی کہانی   دو دن سے ملا تھا نہ جسے دودھ نہ پانی
شبیرؑ نے خیمہ سے اُسے گود میں لاکر   سب فوج کو دکھلا دیا ہاتھوں پہ اُٹھا کر
کارن تھا کہ شاید کوئی جان اس کی بچا دے   دو بوند سسکتے ہوئے بچے کو پلا دے

سب نے کیے مرجھائے ہوئے پھول کے درشن
سنتے ہیں کہ منہ پھیر کے رونے لگے دشمن

پانی کی دیا ایک کے دل میں بھی نہ آئی
اک تیر سے بچے کی ہوئی دودھ بڑھائی

دم توڑ دیا باپ کے ہاتھوں پہ اُچھل کر
سنسار سے پیاسا ہی گیا خون اُگل کر

ایسا کبھی اپرادھ نہ دنیا میں ہوا تھا
دیکھا تھا نہ آنکھوں نے نہ کانوں نے سنا تھا

بچہ کی یہ سچ دچھ تھی یہ سُرن تھی پتا کی
اتنا ہی کہا منہ سے جو مرضی ہو خدا کی

اب لڑنے کے قابل کوئی چھوٹا نہ بڑا تھا
اک چاند تھا بیمار جو خیمہ میں پڑا تھا

نردوش کو ناچار کو پایا جو اکیلا
کھینچے ہوئے تلواریں بڑھا فوج کا ریلا

اب شیر نے انگڑائی لی اور باگ سنبھالی
بجلی سی چمکتی ہوئی تلوار نکالی

سر سینکڑوں ہر وار میں تلوار نے رولے
برکھا ہوئی لوہو کی برسنے لگے اولے

زخمی نے مسافر نے زمیں رن کی ہلادی
پیاسے نے بڑی دور تلک فوج بھگادی

وقت آیا شہادت کا تو بے خوف ٹھہر کر
سجدے میں جھکا خاک پہ گھوڑے سے اتر کر

بادل کی طرح چھاگئے بھاگے ہوئے مکار
بیکس پہ برسنے لگی تلوار پہ تلوار

مجبور اُسے دیکھ کے بے بس اُسے پاکے
سرکاٹ لیا شمر نے سجدہ میں خدا کے

پھر لوٹ پڑی آگ لگائی گئی گھر میں
آکاش تلے یوں نہ لٹا کوئی سفر میں

کچھ بی بیاں، بچے کئی نازوں کے پلے تھے
سب ایک ہی رسی میں غریبوں کے گلے تھے

باندھا گیا اک اونٹ پہ بستر سے اٹھاکر
بیمار کو بھی لے گئے زنجیر پنہا کر

غم ہے اُسی مظلوم کا ماتم ہے اُسی کا
تیرہ سو برس سے یہ محرم ہے اُسی کا

شبیرؑ نے اس دیس کو جب یاد کیا تھا
اسلام کا بھارت میں پتہ تھا نہ سرا تھا

کوئی تو ہے اس دیس سے مظلوم کا بندھن
کیوں ورنِ حسینی ہے یہ دت قوم کا بامن

کچھ بھید ہے جو سوگ میں جوگی سے بنے ہیں
ہندو اسی دھرتی پہ عزادار گھنے ہیں

اب تک جو ہیں انجان کچھ ایسے بھی ہیں بھائی
ہو جاتی ہے مظلوم کے ماتم پہ لڑائی

بھول اپنی ہے ہردے میں جو یہ گردجی ہے
دوش ان کا نہیں اپنی ہی کوشش میں کمی ہے

جو حال سنانا تھا سنایا نہیں ان کو
مہماں کا جنازہ ہے بتایا نہیں ان کو

بھارت کے سچھوتو اور اچھوتو اِدھر آؤ مہمان کے تابوت کو سب مل کے اُٹھاؤ
خود اس نے کیا تھا اِدھر آنے کا اشارا مہماں جو ہمارا ہے وہ پہلے ہے تمہارا
ہر سال وہ آتا ہے محبت کو بڑھانے آپس میں گلے ہندو و مسلم کو ملانے
مہمان کا یوں کرتے ہیں آدر یہ دکھاؤ شبیرؑ کی جے بول کے دنیا کو ہلا دو

پھر سے خون مسلماں کا نہ ہندو کا بہے گا
شبیرؑ کے صدقے میں سدا میل رہے گا

اسلام پوتھی

اللہ بنادے اسے آکاش کی بانی کہنی مجھے بھاشا میں ہے اسلام کہانی
لکھی نہ گئی کوئی جو اس طرح کی پُستک اسلام کو سمجھے نہیں اِس دیش کے سیوک
چرچے ہیں کہ پھیلا ہے یہ تلوار کے بل پر استھان ہے بے نیو کی دیوار کے بل پر
سب ڈھونڈھ رہے ہیں اُسے شیشہ کے نگر میں شاہی کے سماچار ہیں دنیا کی نظر میں
اس روپ میں ست دھرم کا پیغام نہیں ہے مایا کے چمتکار میں اسلام نہیں ہے
سچائی کی شکتی کا مہا کاج ہے اسلام سمجھے جو کوئی تو جگتا راج ہے اسلام
اس دھرم کا دنیا میں سندیسا تھا جب آیا قابو میں غریبوں کی نہ مایا تھی نہ کایا
کمزور کو آرام نہ باہر تھا نہ گھر میں اندھیر ہی اندھیر تھا سنسار نگر میں
وہ دن تھے کہ ڈھونڈھے نہیں ملتی تھی بھلائی چھائی ہوئی تھی سارے زمانے میں بُرائی
سچائی کا پرچار نہ آدر تھا نہ دکھن بگڑے ہوئے مدت سے تھے انسان کے لچھن
چمکا جو عرب دیش کی قسمت کا ستارا کرتار نے آکاش سے اِک نور اُتارا
مکہ میں رسالت کی بچھائی گئی مسند پیدا ہوئے ہاشم کے گھرانے میں محمدؐ

اِس طرح دُلہن بھی کوئی دیکھی نہ سنورتی — مکھڑے کی پڑی چھوٹ تو جگمگ ہوئی دھرتی
کیا جانیے کس بھیس میں کس روپ میں آیا — سنتے ہیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں سایا
چھ سال میں ماں باپ جو پرلوک سدھارے — بچپن سے لڑکپن ہوا دادا کے سہارے
جب سر سے اُٹھا آپ کے دادا کا بھی سایا — اِک اور پریمی نے کلیجے سے لگایا
بچوں سے زیادہ یہ بھتیجے پہ فدا تھا — پالا ابو طالبؑ نے جو حضرت کے چچا تھے
چھوٹے ہی سے سِن میں تھیں سمجھ بوجھ کی باتیں — کٹتے تھے بڑے سوچ میں دن ہوں کہ ہوں راتیں
دِیا کی طرح سب کی نگاہوں میں بھلا تھا — یہ چار برس گھر میں حلیمہ کی پلا تھا
سُندر تھا جو ہر کام تو ہر بات تھی بالا — دایہ کو یہ اچرج تھا کہ بچہ ہے نرالا
بے وقت نہ کھایا کبھی، بے وقت نہ سویا — مچلا نہ کبھی دودھ کے کارن نہ وہ رویا
اس چاند میں آنکھوں نے کوئی کھوٹ نہ پائی — جو من کی صفائی تھی، وہی تن کی صفائی
بھولے سے کبھی اپنی بڑائی نہ جتائی — بیٹوں کو حلیمہ کے سمجھتا رہا بھائی
باتیں نہ گھمنڈی کبھی ہردے میں سمائیں — یوں ساتھ دیا اُن کا کہ بھیڑیں بھی چرائیں
بچوں کی طرح اُس نے کوئی کھیل نہ کھیلا — اُس کے لیے دنیا میں تماشہ تھا نہ میلا
گاہک تھا وہ ہر آن غریبوں کی خوشی کا — سنسار میں دُکھ دیکھ نہ سکتا تھا کسی کا
بیتا وہ لڑکپن کا سمے آئی جوانی — انسان کے جیون کی گھڑی سب سے سُہانی
نِردوش تھی جو پھول کی چندن کی طرح سے — جو پاک رہی صبح کے دامن کی طرح سے
ستونت تھا ایسا جسے دُشمن نے بھی مانا — صادق اُسے بچپن سے ہی کہتا تھا زمانا
نیکی نے بچایا تھا جوانوں کے چکروں سے — وہ دور ہی رہتا تھا بُرائی سے بُروں سے
نِربل کو بھی سکھ ہو، اِسی اُلجھن میں پڑا تھا — ودھوا سے کیا بیاہ کہ پُن اِس میں بڑا تھا
سَرپنچ بنا قوم کا جھگڑا بھی چکایا — دھرتی کو بڑی سخت لڑائی سے بچایا
اَن جَل کے لیے کرنا ہی پڑتا ہے یہ کنتھا — بیوپار بزرگوں کی طرح اُس کا چلن تھا
اُبھری ہوئی تھی ہاتھ میں ایمان کی ریکھا — بیوپار میں ایسا کوئی دھرمی نہیں دیکھا
کچھ دن میں نئی پیار کی صورت نظر آئی — پیدا ہوا اِک سب سے بڑا اُس کا فدائی

اِک تاروں بھری رات نے آنچل جو سمیٹا
چوتھا ابو طالبؑ کو ملا چاند سا بیٹا

کعبہ میں ہُوا جس کا جنم یہ وہ علی ہے
اللہ کے گھر میں ہُوا پیدا کہ علیؑ ہے

گھر اُس کا چلن اُس کا وہی ذات وہی ہے
جو بات محمدؐ کی ہے ہر بات وہی ہے

جنتا کی بھلائی میں بہت رنج سہے ہیں
ہر کام میں اُن دونوں کے دل ایک رہے ہیں

جن باتوں میں تھی کھوٹ بہت اُن سے پرے تھے
بھولے سے نہ کی مورتی پوجا وہ کھرے تھے

دِل جس سے ملے ایسا نہ تھا میل کسی سے
لاکھوں میں محمدؐ کو محبت تھی علیؑ سے

جی لگتا تھا بستی سے الگ شہر سے باہر
استھان بنا رکھا تھا اِک غار کے اندر

جو قوم تھی وہ پاپ کے چکر میں پڑی تھی
انساں ہے گُرستے پہ یہ فکر اس کو بڑی تھی

کیا کشٹھ کی بھرمار ہے اپراوھ کا ریلا!
بیٹھا وہ یہی سوچتا رہتا تھا اکیلا

کرتا ہے ہر اک اپنے قبیلے کی بڑائی
بے بات بھی ہوجاتی تھی آپس میں لڑائی

بدلہ کا لگا روگ تو کم ہی نہیں ہوتا
دادا کی جگہ لڑنے کو تیار ہے پوتا

آنند یہودی ہے جو مہہ سود کا برسے
عیسائی ہیں بھٹکے ہوئے عیسیٰؑ کی ڈگر سے

کچھ لوگ اسے اپنی سمجھتے ہیں جو بیٹی
دھرتی میں دبا دیتے ہیں پیدا ہو جو بیٹی

انسان نے انساں کا بنایا ہے یہ کیا حال
ہے جانوروں سے بھی غلاموں کا بُرا حال

کس اُور ہے سنسار کا بہتا ہوا دھارا
نیکی سے ہو سمبندھ تو مشکل ہے گزارا

کرتے ہی نہیں فرق بُرے اور بھلے میں
اوقات گزرتی ہے شراب اور جوئے میں

کب تک یہی اَنیائے کا بیوپار رہے گا
کب تک یہ اَدھا دُھند سا چار رہے گا

دن رات غریبی ہے امیری کا نوالا
آنکھیں ہیں مگر کوئی نہیں دیکھنے والا

اِک روز اِسی دھیان میں اوڑھے ہوئے چادر
چُپ چاپ وہ لیٹا ہوا تھا غار کے اندر

دنیا کو بدلنے کا چلن سوچ رہا تھا
انسان کی مکتی کے جتن سوچ رہا تھا

جیسے کبھی گرمی میں بڑی پیاس لگی ہو
سامان نہ ہو کوئی، مگر آس لگی ہو

دُہرا ہی رہا تھا یہ کہانی ابھی مَن میں
پیدا ہوا اک بھاؤ نیا من کی لگن میں

جیسے کوئی جاگے ہوئے کو اور جگادے
لو جیسے کوئی پیار کے دیپک کی بڑھا دے

اِس آن میں جبریلؑ فرشتے کی زبانی   دھرتی پہ سُنی اُس نے یہ آکاش کی بانی

اے کملی میں لپٹے ہوئے اُٹھ ذکرِ خدا کر   دُنیا کو جگا دین کا پیغام سُنا کر

سب اُس کے سنگھاسن ہیں وہ پربت ہو کہ رائی   بندوں کو بتا پالنے والے کی بڑائی

گھر اپنے چلا سُن کے یہ کام کی آواز   ہَر اُور سے پیدا ہوئی پرنام کی آواز

اِک ایک نے ترلوک دھنی کہہ کے پکارا   جنگل نے پہاڑوں نے نبیؐ کہہ کے پکارا

بوجھ اتنا بڑا کیسے اکیلا کوئی سہہ لے   ساتھی جو تھی جیون کی بتایا اُسے پہلے

پھر اس نے کہی بھید کی یہ بات علیؑ سے   بیٹھے ہوئے یہ بول اُسے مصری کی ڈلی سے

بیوی بھی ہوئی بھائی بھی اسلام کے ساتھی   دونوں یہ محمدؐ کو ملے کام کے ساتھی

اب زید کا نمبر تھا ابوبکر کی باری   چُپ چاپ یہ پرچار، یہ سیوا بھی ہے نیاری

دو ایک کے من ہونے لگے روز اُجاگر   بوندیں جو ترپنے لگیں بننے لگا ساگر

پھر من میں نیا حکم یہ اللہ کا چمکا   اپنوں ہی میں پرچار کرو پہلے دھرم کا

کنبہ کو اکٹھا کیا کھانے پہ بلا کے   سب اُٹھ گئے کھاپی کے ہنسی اُس کی اُڑا کے

مشکل ہے کہ چھوڑے کوئی دھرم اپنا پرانا   سچا بھی سمجھ کے یہ بچن اُس کا نہ مانا

پھر دوسرے دن بھی انہیں گھر اپنے بلایا   اللہ کی کرپا کا سماچار سُنایا

جو ساتھ مرا دے گا یہ بات اُس نے بتائی   وہ میری جگہ لے گا وہ ہوگا مرا بھائی

اقرار کیا اِتنوں میں بس ایک بلی نے   میں آپ کا ساتھی ہوں کہا اُٹھ کے علیؑ نے

یہ سُن کے پھر اُن لوگوں سے کہنے لگے حضرتؐ   دیکھو مرے بھائی کو، کرو اِس کی اطاعت

اِن شبدوں میں شکتی نہ کسی کو نظر آئی   پہلے کی طرح سب نے ہنسی اُس کی اُڑائی

کنبہ میں کسی اور کا دیکھا نہ سہارا   وشواس تھا اللہ کا، ہمت نہیں ہارا

اِس دین کا پرچار امیروں کو نہ بھایا   پہلے یہ غریبوں کے ہی ہردے میں سمایا

کس پریم کا اُپدیش تھا، کیا شبد منوہر   مکہ میں مسلماں نظر آنے لگے گھر گھر

سب ہوگئے آخر کو مسلمانوں کے دشمن   بے جوڑ ہزاروں میں تھا دس بیس کا جیون

پیسے کا اُدھر زور تھا گنتی میں سوا تھے   تھوڑے سے دھرم ویر منش چیز ہی کیا تھے

کتنوں کے گلے میں تو غلامی کے تھے بندھن
وہ ظلم ہوئے اُن پہ کہ جینا تھا اجیرن

جلتی ہوئی ریتی پہ کبھی اُن کو لِٹایا
پتّھر کے تلے دھوپ میں لے جا کے دبایا

بیلوں کی طرح باندھ کے بازاروں میں کھینچا
رسّی میں گلے باندھ کے بازاروں میں کھینچا

آور نہ پڑوسی کی نہ رشتہ کی رہی پَت
ہٹ دھرموں کے ہاتھوں سے غریبوں کی تھی درگت

سو زور اُدھر تھے اِدھر اک زور اہنسا
اِک اُور تھا اَنیائے، تو ایک اُور اہنسا

ڈنڈوں سے کبھی اور کبھی بھوک سے مارا
سب ظلم تھے اللہ کے بندوں کو گوارا

لکھا ہے کہ پیٹے گئے اِس طرح بچارے
سنسار سے عمّار کے ماں باپ سدھارے

چڑھتے ہوئے دریا کا ہُوا کچھ نہ اُتارا
بڑھنے سے رُکایوں بھی نہ اِس دھرم کا دھارا

کمزور مسلمان نے جب ہار نہ مانی
اب سب نے محمدؐ کے ستانے کی بھی ٹھانی

سر پر کبھی کوڑے سے بھرے طشت گرائے
ہتیاروں نے کانٹے کبھی رستہ میں بچھائے

مارے کبھی پتّھر، کبھی دی آپ کو گالی
سیٹی کبھی لڑکوں نے بجائی کبھی تالی

دم جس سے نکل جائے وہ اَنیائے کیا تھا
عقبہ نے تو چادر سے گلا گھونٹ دیا تھا

جس روز ابوجہل نے حضرت کو ستایا
حمزہؓ تھے چچا آپؐ کے غصہ انہیں آیا

گردن سے ہُوا مورتی پوجا کا اُتارا
اسلام بھی لائے اور ابوجہل کو مارا

چلتا نہ تھی کچھ مار کے انجان تھے ایسے
چُپ ہو گیا وہ پٹ کے یہ بلوان تھے ایسے

عقبہ تھا اُمیہ کی جو سنتان کا سردار
اِک روز کیا اس نے پیمبرؐ کو نمسکار

کہنے لگا دنیا تمھیں دیتی ہے اُپدیشا
اے میرے بھتیجے مجھے کچھ تم سے ہے کہنا

تم بھی اسی بستی اسی بھومی میں پلے ہو
پُرکھے بھی تمہارے ہیں بھلے تم بھی بھلے ہو

باتیں جو نئی کرتے ہو کیا اس کا ہے کارن
کیوں توڑ رہے ہو یہ دھرم دیش کے بندھن

جاتی کو بڑا تم نے تو جھگڑے میں ہے ڈالا
اوگن ہے یہ کیا مُورتی پوجا میں نکالا

اگلوں کے دھرم کو جو بُرا تم نے بتایا
سب اپنے بڑے بوڑھوں کو ہے دوش لگایا

اس دیش میں چپتا یہ نئی ٹوٹ پڑی ہے
آپس میں تمہارے ہی لیے پھوٹ پڑی ہے

من سب کے بیاکل ہیں وہ نر ہو کہ ہو ناری
شِکشا تمہیں کچھ دوں اگر اِچھا ہو تمہاری

جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ شاید تمہیں بھاجائے   سب کے لیے اچھا ہو، سمجھ میں اگر آجائے
وو جگ کے سوامی نے کیا اس کو نہ بے آس   تیار ہوا سننے کو عتبہ کی وہ بکواس
عتبہ نے کہا تم کو جو دولت کی ہو چاہت   وہ ڈھیر لگادیں گے کہ بن جائے گا پربت
ہم سب سے اگر چاہتے ہو اپنی بڑائی   یہ بھی ہمیں سوجان سے منظور ہے بھائی
اس ٹھاٹ سے اب تک نہ یہاں کوئی براجا   چاہو تو بنادیں تمہیں اس دیس کا راجا
کچھ روگ اگر ہے کسی گن بان کو لائیں   یہ حال تمہارا کسی بیدی کو دکھائیں
رہنے کے نہیں پھر یہ سماچار کٹنگے   دو روز کی سیوا میں تم ہوجاؤ گے چنگے
یہ سُن کے اُسے آپؐ نے قرآن سنایا   مطلب تھا کہ راج اپنا یہی ہے یہی پوجا
ہردے میں سکت اور نہ زباں پر کوئی بس تھا   سُن ہوگئے سُن کر یہ ہوئی اس کی اوستھا
عتبہ کو اچنبھا تھا کہ یہ بلونت ہے کیسا   راج اپنا ہے منظور جسے اور نہ پیسا
جاکر کہا اپنوں سے کہ جھگڑے کو نبیڑو   کہنا مرا مانو تو محمدؐ کو نہ چھیڑو
اب اس سے اُلجھ کر کبھی بات اپنی نہ کھونا   سُن کر جو میں آیا ہوں وہ جادو ہے نہ ٹونا
پھول ایسی سگندھ کے چُنے ہی نہیں میں نے   اس گیان کے اُپدیش سُنے ہی نہیں میں نے
یہ بول کچھ ایسے تھے کہ آگ اور لگادی   جھگڑے کو گھٹانے کی جگہ بات بڑھادی
مکہ میں ہوئے ٹھور سے بے ٹھور مسلماں   دن رات ستائے گئے اب اور مسلماں
فرمایا پیمبرؐ نے کہ کچھ روز کو ٹل جاؤ   چھوڑو یہ جنم بھوم، حبش دیش نکل جاؤ
سچے ہیں منش، نیائے ہے اس دیش میں جیالو   پرجا بھی بھلی اس کی ہے راجہ بھی ہے دوجالو
یوں اور بھی پرسند ہوئی بات یہ سب میں   بیوپار کا رشتہ تھا حبش اور عرب میں
جو رہ گئے مکہ میں وہ ناچار ہوا تھے   حبشہ جو گئے سو سے وہ دوچار ہوا تھے
ان سب کے تھے سردار، سگے بھائی علیؓ کے   بھائی ہوئے رشتہ میں پچیرے جو نبیؐ کے
کم عمر تھے ان سب میں مگر سب سے کڑے تھے   نام اُن کا تھا جعفر کہ یہ بدھی میں بڑے تھے
پہنچے جو حبش میں تو کوئی رنج نہ دُکھ تھا   راجہ کے بھی اُپکار تھے پرجا سے بھی سکھ تھا
راجہ ہو کہ پرجا وہ کلیسائی تھے سارے   اس دیس میں بستے تھے جو عیسائی تھے سارے

پہلے ہی تھے بیٹھے ہوئے سر دُھن کے قریشی　　جھلا گئے یہ خیر خبر سُن کے قریشی
پردیس میں بادل جو اودھر پریم سے برسے　　کچھ لوگ چلے آگ لگانے کو اِدھر سے
سینہ میں دہکتا ہوا شمشان لیے تھے　　راجہ کے لیے بھینٹ کا سامان لیے تھے
اِن سب میں منش تھا یہی اس کام کے ڈھب کا　　اِس ٹولی میں مکھیا عمر عاص تھا سب کا
مل کر کہا راجہ سے اَدھرمی ہیں یہ سارے　　دیدیں ہمیں سرکار گناہ گار ہمارے
اِس کام کی رشوت سے جو ہر جیب تھی بھاری　　کہنے لگے سب ان کی ہی گرجے کے پُجاری
راجہ نے سُنے جب یہ مسلمانوں کے لچھن　　دربار میں بلوایا اُنہیں نیائے کے کارن
پوچھا یہ نیا دھرم ہے کیا تُم نے نکالا　　عیسائیت اور مورتی پوجا سے نرالا
ساہس تھا بہت اُن کو جو مذہب کی طرف سے　　جعفر نے جواب اُس کو دیا سب کی طرف سے
ہم وہ ہیں کہ تھی ہم میں بُرائی ہی بُرائی　　سونے پہ سہاگہ تھا بُرائی پہ ڈھٹائی
سیدھی تھی نہ سچی تھی کوئی بات ہماری　　ہم جھوٹ کے سیوک تھے تو پتھر کے پجاری
ہم نے انہی باتوں میں سدا عمر گنوائی　　بھائی سے رہا بیر، پڑوسی سے لڑائی
نردھن کی اوستھا کا نہ تھا کوئی اُپائے　　بلوان کا کارج تھا کہ نربل کو ستائے
پیدا ہوا اتنے میں منش ایک مہاتما　　نیکی کا جو دریا ہے بڑائی کا ہے پربت
بے مانگی ملی اس سے ہمیں دھرم کی بھکشا　　جو بات ہے اُس کی وہ بڑائی کی ہے شکشا
سکھلائی ہمیں ایک نرنکار کی پوجا　　اُس نے کہا اللہ نہیں ہے کوئی دوجا
بھگوان کی صورت نہیں، سورج کو نہ پوجو　　اپنی ہی بنائی ہوئی مورت کو نہ پوجو
ودھوا کا اناتھوں کا کبھی مال نہ کھاؤ　　بھولے سے کبھی نہ کسی ابلا کو ستاؤ
آپس میں کبھی ڈھنگ لڑائی کا نہ ڈالو　　جو بات بُرائی کی ہے اُس بات کو ٹالو
اُس نے ہمیں سچائی کے ڈھرے پہ لگایا　　اِک جھوٹ میں سو پاپ چھپے ہیں یہ بتایا
ہم نے جو کیا اُس کے ہر اپدیش کا پالن　　مکہ میں جو ہٹ دھرم تھے سب ہوگئے دشمن
راجہ نے کہا اس کے بچن کیا ہیں بتاؤ　　آکاش سے اُتری ہے جو پستک وہ سناؤ
جعفر نے بچن سورۂ مریم کے سُنائے　　سُن کر اُسے آنسو بہت آنکھوں سے بہائے

کہنے لگا ست دھرم کی ہے یہ بھی نشانی انجیل کی قرآن کی ہے ایک ہی بانی
فریاد جو لائے تھے کہا اُن سے کہ جاؤ دیدوں گا انہیں تم کو یہ آشا نہ لگاؤ
بولا عمر عاص خبر ہے تجھے سلطاں کیا حضرت عیسیٰ کو سمجھتے ہیں مسلماں
تھا سب کو ہی معلوم یہ بھید اُن کے دھرم کا عیسیٰ کو سمجھتے ہیں یہ اللہ کا بیٹا
سب کو تھا یہ دھڑکا کہ بگڑ جائے گا راجا کچھ اور سُنے گا تو اکڑ جائے گا راجا
جعفر نے کہا پھر بھی مگر آنکھ ملا کے بندہ بھی ہیں وہ اور پیمبر بھی خدا کے
راجہ نے کہا سب سے یہ اُپدیش ہے سچا اک تنکے برابر وہ نہیں اس سے زیادہ

اسلام کے دشمن ہوئے یہ سُن کے نراسے
مکہ کو پیاسے ہی گئے خون کے پیاسے

○

جگت گرو

اب حسینؑ اکیلے ہیں لُٹ چکی جو مایا تھی کربلا کی دھرتی پر تھک کے سو گئے ساتھی
تیر ایسے آتے تھے جیسے مینہ برستا ہو تین دن کے پیاسوں پر کیا لہو کی برکھا تھی
روم جھوم دنیا ہے آج اُن کی سیوا میں کیا انوپ سیوک تھے کیا انوپ سیوا تھی
سورما جو ریتی پر سر کٹائے سوتے تھے اُن کے پاس چرنوں میں سر جھکائے دنیا تھی
دُکھ بھری کہانی ہے چھ مہینے والے کی لاڈلے تھے مائی میں آسرے میں ماتا تھی
خاک پر نبیؐ زادہ گھر لٹائے بیٹھا ہے سب اُسی کو دے ڈالی جس دھنی کی مایا تھی
اُس کی تیغ کا چم خم رن کی جگمگاہٹ تھا گرم ریت پر سجدے زندگی کی شوبھا تھی
اس کے دشمنوں کو بھی سکھ ملا نہ دُکھ دے کر آنکھ میں نہ ہوں آنسو ہر دِلوں میں دُبدھا تھی

فاطمہؑ کا مہ پارا ہے جگت گرو جگ بھی
آج سب کو پیارا ہے جس پہ کل یہ بپتا تھی

کھیون ہارا

کربل بن سے چلے مسافر باجت کوچ نقارا　　ایک اک سیس انی پر چمکے جیسے تارا
سب سے لانبی برچھی پر وہ سیس حسینؑ سوامی کا　　بھرے پُرے سنسار میں جس کو بھوکا پیاسا مارا
ہر چڑیا بن کی رووت ہے، اندھیارے بن میں سووت ہے　　علیؑ نبیؐ کی گود کا پالا دھرم کا پالن ہارا
راکھ لئی پت صاحب کی گھربار لُٹا کر سیوک نے　　کیسا اُتم کام ہے اُس کا نام ہے کیسا پیارا
سب تیر سما دوڑ پڑے جب موت پکاری پلے سے　　نربل بوڑھے کومل بالک کوئی نہ ہمت ہارا
سب سستا سودا سمجھے تھے کیا مہنگی جانیں بیچیں　　اک اک بل نے ست کے بل پر سو سو کو للکارا
پریم کی نیاّ ڈوب رہی تھی کیسی پار لگائی　　اپنے لہو میں ڈوب کنارے لایا کھیون ہارا
جان گئے ہر دیسی ودیسی جھوٹی ساپچی مہما کو　　ہارے کس کی جیت ہے کس کی مان گیو جگ سارا
ہنس ہنس دکھ کی کڑیاں جھیلیں جگ کو یہ اُپدیش دیا　　اپنے دم کا آس بھروسہ مالک نام سہارا
نگری نگری دھوم مچی ہے واہ حسینا بابا کی　　کربل بن میں دیا جلایو سارا جگت اُجیارا
پوجا پاٹ کسو کی ناہیں بپتا یاد دلاوت ہیں　　سروڑ کا تابوت ہے دھری اصغرؑ کا گہوارا

اپنے کو جو چاہے تجھی اُس کو کون نہ چاہے
بھارت ماتا سوگ منا کر من ہرلیں ہمارا

O

دُکھ کا ساگر

ڈوبی ہوئی دُکھ کے ساگر میں سورج کی سنہری تھالی تھی
اس چاند کی دِس کو سانجھ تلک شبیرؑ سے دنیا خالی تھی

بابا ہی کے دم کے ساتھی تھے اکبرؑ بھی گئے اصغرؑ بھی گئے
تکنے کو رہی ایک ایک کا منہ چھاتی پہ جو سونے والی تھی

یوں جگ میں نہ لاگی آگ کہیں اس ڈھب سے نہ اُجڑا باگ کہیں
سوکھی ہوئی پتی پتی تھی ٹوٹی ہوئی ڈالی ڈالی تھی

دو کھیت پرے جل بہتا تھا اور پھول اُوپر کملاتے تھے
دن نیر یہ سوکھے جاتے تھے اور چار طرف ہریالی تھی

حیدرؑ کے گھرانے والے سب ستونت بھی تھے ساونت بھی تھے
تیجے ہی اُٹھالی بندوں نے مالک نے جو بپتا ڈالی تھی

سروڑ پہ حسنؑ کی بدھوا نے دو چاند کے ٹکڑے وار دیئے
بچے تو جیالے تھے ہی مگر ماتا بھی بڑی دل والی تھی

کیا لُٹ کے گئے کربل سے حرم جب آئی ہیں سکھیا ملنے کو
جس مانگ کو دیکھا اُجڑی تھی جس گود کو دیکھا خالی تھی

سنسار کا چاہا اس نے بھلا کٹوا دیا کنبے بھر کا گلا
شبیرؑ کے من کے سانچے میں کرتار نے بھگتی ڈھالی تھی

مارے گئے سَت کی سیوا میں دھاباد ہے ایشر بھگتوں کو
مکھڑوں پہ لہو کی سُرخی سے بڑھ چڑھ کے خوشی کی لالی تھی

یہ جی سے گزرنے والے تھے یہ بات پہ مرنے والے تھے
کب موت سے ڈرنے والے تھے سو بار کی دیکھی بھالی تھی

نجمیؔ یہ حسینیؑ چوکھٹ ہے یاں آ کے مرادیں ملتی ہیں
اس دوار سے بھکشا لے کے چلے آئے تھے تو جھولی خالی تھی

O

پریم پنتھی

پریم نگر کا پنتھی قاسمؑ موت سے بیاہ رچائے گیا
ہنسی خوشی کا جانا ٹھہرا دولہا بن کر آئے گیا

رتھ مالہو کی دھاریں تھیں اُس گورے گورے مکھڑے پر
اس سج دھج پہ کسی کی لاگی نجر یہی سہرا بدھی کھائے گیا

اِک باغ کھلا تھا کربل بن میں یثرب والے مالی کا
کچھ سوکھ گیا بن پانی کے کچھ گھام پڑی مُرجھائے گیا

شبیرؑ کے تن کی بستی میں شبیرؑ کا من کیا ہیرا تھا
اس دیپ کی لَو بڑھتی ہی رہی آنکھوں میں اندھیرا چھائے گیا

سنتے ہیں کہ دھرتی کانپ گئی تلوار وہ کی تلوارے نے
جو بھور سے لیکر سانجھ تک لاشیں ہی اُٹھا کر لائے گیا

کیا تیروں کی بوچھاروں میں اُپدیش کی میٹھی باتیں تھیں
سب اپنے لہو کے پیاسوں پر وہ امرت جَل برسائے گیا

سنسار کو سَت کی شکتی سے گھربار لٹا کر موہ لیا
سودا ہے ذرا اِک جوکھم کا جو کھوئے گیا سو پائے گیا

اصغرؑ پہ بھی کیسی بپتا تھی جھولے میں دُکھی دھرتی میں سُکھی
ماں باپ نے مکھ سے آہ نہ کی ماں باپ کو کیا سمجھائے گیا

پیاسوں کے انیلے سقّے نے اک آگ لگادی جنگل میں
خیمہ سے نکل کر دریا تک اک بجلی سی لہرائے گیا

سب شام کی سینا سکتہ میں اکبرؑ کے انوپ روپ سے تھی
جیسے کہ نبیؐ پرلوک سے پھر قرآن سنانے آئے گیا

اب جا کے ہمالہ پربت سے لے ماتم کی ٹکراتی ہے
اُس دیش کی نجمی دُور بلا جس دیس پہ یہ غم چھائے گیا

دھرم پربت

اندھیارا پاپ کے بادل کا سنسار پہ جب چھا جاتا ہے
اک چاند سروپی سورج روپی مکھڑا درس دکھاتا ہے

جب مایا جگ کو کھاتی ہے جب ایسی بپتا آتی ہے
جب مالک آنکھ بدلتے ہیں اک بندہ آڑے آتا ہے

لو دھرم کی من میں ہوک اُٹھی وہ دیس مدینہ چھوڑ چلا
کانٹوں کی ڈگر سے شام نگر اک جانے والا جاتا ہے

سب کعبہ کے رکھوالے ہیں کچھ بوڑھے ہیں کچھ بالے ہیں
سب ایک ہی کنبے والے ہیں ان سب کا نبیؐ سے ناتا ہے

کیا ایشر روپی مایا ہے من موہن مورت اکبرؑ کی
یہ چاند عرب کی بستی میں ہمشکل نبیؐ کہلاتا ہے

عباسؑ کی سج دھج دیکھو گے ان مرنے جینے والوں میں
چھاتی پہ مشک مچلتی ہے کاندھے پہ علم لہراتا ہے

کیا دھاروں پر تلواروں کی بیعت کا سندیسا دیتے ہیں
جب ست ہی ست ہو ہردے میں دوجا کون سماتا ہے

شبیرؑ دھرم کا پربت ہے کوفے کے اُدھمی کیا جانیں
مائی میں جسے مل جاتا ہو وہ پربت سے ٹکراتا ہے

اسلام کی جیون رکھشا کو بلدان ہے ننھے بچوں کا
یاں گودیں خالی ہوتی ہیں واں دامن بھرتا جاتا ہے

قرآن کیسے دکھلائے گا اک بالک ہے قرآن نہیں
دھرتی میں سُلا کر آئے گا جھولے سے اُٹھا کر لاتا ہے

شبیرؑ کے گھر کا حال کہو پھلواری کے رکھوالوں سے
سو ہُوکیں من میں اُٹھتی ہیں اک پیڑ اگر مُرجھاتا ہے

اِک جینا مرنا اُن کا ہے جو جیتے ہیں مر جاتے ہیں
اِک جینا مرنا اُس کا ہے جو مر کے اَمر ہو جاتا ہے

جاگی ہوئی کب کی آنکھیں تھیں خنجر کے تلے بھی آہ نہ کی
سُکھ نیند اُسی کو آتی ہے جو سوتی قوم جگاتا ہے

بھاشا کے رسیلے شبدوں میں دُکھ رُوپ کہانی کربل کی
محنت پہ سوارت ہو نجمی یوں کون کسے سمجھاتا ہے

O

حسینیؑ سیوا

اکبرؑ کو سکارے مرا تھا دشمن موت کی سگری رات رہی
ماں سیس لگائے چھاتی سے بالوں کی لٹیں سلجھات رہی

سب دل کی سوبھا ساتھ چلی جب دیس سے یہ پردیس چلے
پردیس سے جب پرلوک گئے سنسار کی سوبھا جات رہی

جی دیکھے یہ سورگباش ہوئے کوفہ کے ادھرمی ناش ہوئے
شبیرؑ کا بالا بول رہا اسلام کی اونچی بات رہی

سانچے ہی رہے جو سانچے تھے یاں سانچ کو کوئی آنچ نہیں
دشمن ہی کو سب نے دوش دیا اوران کے لیے صلوٰت رہی

پیاسے ہی لڑے پیاسے ہی مرے اک بوند نہ پائی پانی کی
ساوت وہیں پر کھیت رہے تیروں کی جہاں برسات رہی

ایشر کی دیا لہرائے گئی آکاش کی بانی آئے گی
دکھ درد کی جتنی دھوپ بڑھی سنتوش کی بدلی چھات رہی

قاتل کو پلا کر دودھ گئے ایسے بھی دیالو ہوتے ہیں
دنیا یہ اُسی کے کنبے کو پانی کے لیے ترسات رہی

اصغرؑ کے گلے پر تیر لگا جل مانگت بن میں سوئے گئے
دکھیاری ماتا آشا میں من جھولے سے بہلات رہی

کربل میں علیؑ کی پتری نے یوں رین گزاری دسویں کی
کس ٹھاٹ سے لڑکے مرتے ہیں ہر بالک کو سمجھات رہی

اب راجا پرجا چوکھٹ پر سب سیس نوائے بیٹھے ہیں
جب چھوڑ کے دنیا دین لیا دنیا بھی انہیں کے ہاتھ رہی

جب آئے حسینی سیوا میں سب ہندو مسلم ایک ہوئے
مل جائیں گے نجمیؔ دل بھی کبھی جب ان کی نجر پر بات رہی

O

پریم کہانی

کربل کا انوکھا جنگل ہے تیروں میں ہوا بل کھاتی ہے شبیر کا گھائل تن من ہے دھرتی کی دھڑکتی چھاتی ہے
یوں جگ کے بھلے کو مرتے ہیں یوں اپنے لہو میں بھرتے ہیں یوں دھرم کی سیوا کرتے ہیں یہ من کی لگن کہلاتی ہے
ڈوبی ہے لہو میں ناؤ مگر من سوچ میں ڈانواں ڈول نہیں سینے پہ ہیں کتنے گھاؤ مگر آنکھوں میں دیا لہراتی ہے
کیا سیدھے سچے ساتھی تھے کیا پریم کہانی چھوڑ گئے کربل کی زمیں تھرائے چکی ہروے کی زمیں تھراتی ہے
بھوکے بھی لڑے پیاسے بھی لڑے لاکھوں میں بہتر کود پڑے بلونت سہی ساونت سہی کہنے میں مگر بات آتی ہے
سکھ آج ہے برچھی کھانے میں آنند ہے آپ مر جانے میں اکبر کا بھی ہے وشواش یہی ماتا بھی یہی سمجھاتی ہے
یہ اجڑ چ بھوی لوٹ چکی بھرپور جوانی پھولوں کی اب گود میں اپنے مالی کے منہ بند کلی مرجھاتی ہے
یہ تیر گلے پر کھائیں گے سنسار کا جی دہلائیں گے چھوٹے سے بڑے ہو جائیں گے اصغر کی سواری آتی ہے
دن لڑتے لڑتے بیت گیا سنتوش پر ہی جیت گیا سنتوش کی جے رہ جائے گی چپتا کہیں رہنے پاتی ہے
مایا نے جنھیں ٹھکرایا تھا وہ مایا روپی بندے تھے یہ ایشر روپی بندے ہیں یاں مایا ٹھوکر کھاتی ہے

تبھی وہ بڑے دل والے تھے دل ما م سے دھک دھک کرتے ہیں
یاد ان کی سما کر سینوں میں ماتم کی دھک بن جاتی ہے

O

سَت کی سیوا

جب جھوٹ کی ندی بڑھ چڑھ کر لہراتی ہے اٹھلاتی ہے   یہ چلتی پھرتی مایا جب کایا کا لہو پی جاتی ہے
اک وقت نظر میں پھرتا ہے اک بات مجھے یاد آتی ہے   سکھ کھونا یاد آتا ہے دکھ پانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب تن کی مورت ہنستی ہے اور من کی دیوی روتی ہے   یہ دنیا نرم بچھونے پر جب آنکھیں کھولے سوتی ہے
ست دھرم پہ مرنے والوں کی اس جگ میں کمی جب ہوتی ہے   میدان میں ننھے بچے کا لے آنا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب پل پل گرمی بڑھتی ہے اور دھوپ تڑپ دکھلاتی ہے   دنیا میں کوئی پھلواری جب بے نیر کہیں مرجھاتی ہے
کچھ سوکھے سوکھے ہونٹوں کی ہر پیاس میں یاد آجاتی ہے   اصغرؑ کے گلابی مکھڑے کا کملانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب سچوں کو ٹھکراتے ہیں اور جھوٹوں کو اپناتے ہیں   جب اچھے اچھے دھرم پجاری پاپ کی ٹھوکر کھاتے ہیں
جب ملیا جال بچھاتی ہے دل پھندے میں پھنس جاتے ہیں   سنسار کی جھوٹی مایا کو ٹھکرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب تن کی رکھشا کرنے والے من کا الس مٹاتے ہیں   درد کے جب سیوک بن کر گھر کی لاج گنواتے ہیں
جب سکھ کے بندے سکھ کے کارن جگ جگ سیس نواتے ہیں   دکھ درد کے اونچے پربت سے ٹکرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب ہردا دھک دھک کرتا ہے گھمسان میں رن کی بانی سے   جب تیور بجھ بجھ جاتے ہیں دو چرکوں میں آسانی سے
جب کائر جان بچاتے ہیں تلوار کے گہرے پانی سے   اُن خون میں ڈوبی زلفوں کا بل کھانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

اس جگمگ جگمگ دنیا میں جب ہٹ پر بالک آتے ہیں   جب آنکھیں نیر بہاتی ہیں دل پانی ہو ہو جاتے ہیں
جب جھوٹی سچی آشا دے کر بات بنا سمجھاتے ہیں   کربل میں حسینی جھنڈے کا لہرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

جب آنکھ سے آنسو ڈھل کر بھی من کا گردا دھوتے ہیں   جب گھر گھر ماتم ہوتا ہے جب رونے والے روتے ہیں
عشرہ کو ہوا کی لہروں میں جب سبز پھریرے ہوتے ہیں   کربل میں حسینی جھنڈے کا لہرانا یاد آتا ہے

شبیرؑ کا ست کی سیوا میں مرجانا یاد آتا ہے

سَت جگ کا ستارہ

پربھو نامے گاؤ کتایو گھر گھر دیو لٹائے   سَت کی رکھشا ایس کری کلجگ سیس نوائے
تُمسا ایک نہ تِنکسا کوؤ گجرے بہت حسین   ایسی لیلا رچ گئے کہ تم بن جگ بے چین

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

جگ کو دُکھ میں پائے کے چھوڑا آپن گاؤں   بن میں ڈیرے ڈال دیے دیکھی دھوپ نہ چھاؤں
کیسو رَن کے جاتری ساتھ لیو پرِوار   سارے گھر کی لاڈلی چھوڑ گیو بیمار

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

کیا کیا بالک گود کے کیا کیا تنت جوان   دتا ہر کے نام پر خوب دیا بلدان
جھولے کا اک جھولن ہارا ایک اٹھارہ سال   اکبرؑ جیسا لاڈلا اصغرؑ جیسا لال

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

ایسا کس سردار کو ملا علم بردار   ہاتھ کٹے جب شانوں سے تب چھوٹی تلوار
ہاتھن آگے بڑھ گیا دانتن مشک دبائے   جیسے شیر شکار کو منہ میں دابے جائے

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

سگری باڑی دھوپ میں سوکھ گئی بن نیر   کھیتی پیاسی نیر کی تِس پر برسے تیر
ہنس ہنس ایسا پُن کیا پھوٹ کے رویا پاپ   سارا باگ لٹائے کے کھیت رہے پھر آپ

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

تم بھوکے پیاسے خیمے سے جب نکلے شیر سمان   بڑے بڑے بلونت سپاہی چھوڑ گئے میدان
گھائل دیہی گھام عرب کی تین دنا کی پیاس   کربل بن کے لڑنے والے کس بدھ رہے حواس

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

تِس تِس مکھڑا کھلت رہا جس جس باڑھی دھوپ   پیاس بڑھی سنتوش بڑھا دُونا چمکا روپ
من میں ایسی شانتی کوؤ کہاں سے لائے   لاکھن کشٹ اٹھائے کے ایک نہ نکسی ہائے

دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

پاپی جگ کے پاپ کا کوئی نہ سوجھا توڑ   کیسے کیسے دھرم پجاری بیٹھ گئے جی چھوڑ
آپس لہو بہائے کے تم نے بدلا رنگ   نام آگیا آکاش تک دھرتی رہ گئی دنگ
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
آنن تھا حال گریب کا جیسے جیتی لاش   دھن دولت کے زور نے دھرم کیا تھا ناش
ایسی کرنی کر گئے نشچے بھیا سماج   جھوٹا کھیل بگاڑ کے رکھ لی ست کی لاج
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
بستی بستی جنگل جنگل آج تمھارے میت   ابھری شکتی پریم کی بھٹی ہار کی جیت
ہندو مسلم راجا پرجا جن دیکھو گن گائے   من کو ہیرا پائے کے سبھی لیو اپنائے
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
آنسو نکسے نین سے من سے نکسی کھوٹ   سائیں تمہرے نام کی پڑی کراری چوٹ
بجلی چمکی پریم کی جیو بھیا اوجیار   بادل گرجے ماتی چیخ پڑا سنسار
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
سوامی کتنے دور تے لگا پریمی بان   اٹھی لہر فرات سے پہنچی ہندوستان
بھومی رام کرشن کی کربل کا سندیس   آنسو تمہرے سوگ اور گنگا جمنی دیس
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا
سب ہی کشٹ اٹھائے کے گئے علی کے لال   بھارت سیوک بھوک کی آج کریں ہڑتال
ان سے جب ان بن بھئی من سے نکسے بین   تجی ست کی ٹیک پہ پیاسے لڑے حسین
دو جگ کے سہارے کیا کہنا ست جگ کے ستارے کیا کہنا

O

درشن کا اُجالا

درشن کا اُجالا لے کے چلے آنکھوں میں اندھیرا چھوڑ گئے
اکبرؑ کو کہاں کی جلدی تھی بابا کو اکیلا چھوڑ گئے

تیرہ سو برس سے چرچے ہیں ان جیوٹ مرنے والوں کے
تڑپے نہیں خود خنجر کے تلے دنیا کو تڑپتا چھوڑ گئے

اصغرؑ کو تھی رن کی دُھن میں کہاں ماتا کے دھڑکتے دل کی خبر
ننھے سے سپاہی خیمے میں ٹھہرا ہُوا جھولا چھوڑ گئے

تلوار وہ روکی پیاسوں نے دریا کو لہو سے پاٹ دیا
پیاسے تو گئے دریا سے مگر اِک خون کا دریا چھوڑ گئے

عباسؑ نے دریا چھین کے بھی بچوں ہی کی خاطر مشک بھری
پیاسے تھے مگر پیاسے ہی پھرے دریا کو چھلکتا چھوڑ گئے

سب اپنی کمائی لے کے گئے کس ڈھب کے یہ جانے والے تھے
کچھ کوکھ جلی رانڈوں کے لیے اِک موت کی آشا چھوڑ گئے

قیدی تو بہت سے دیکھے ہیں پوچھے کوئی اُن کے جی سے مگر
جو گود کے پالے بچوں کو میدان میں سوتا چھوڑ گئے

سنتا ہے جو دھرتی روتا ہے ہر دیس میں ماتم ہوتا ہے
کچھ کام وہ ایسا کر کے گئے کچھ نام وہ ایسا چھوڑ گئے

سرکاٹ کے کوفے والوں نے یہ اور نیا اپرادھ کیا
میدان کی جلتی ریتی پر شبیرؑ کا لاشا چھوڑ گئے

کربل کی انوکھی دھرتی سے نردوش مسافر یثرب کا
سانچی تھی جو مہما لے کے اُٹھے جھوٹی تھی جو مایا چھوڑ گئے

اب سوگ ہے رہتی دنیا تک سنسار نے ایسا جوگ لیا
جیون میں رچے ہردے میں بسے ٹھکرا کے جو دنیا چھوڑ گئے
سنسار کی مایا کوئی نہیں کچھ دوہے ہیں کچھ نوحے ہیں
مجمی یہی مایا لائے تھے مجمی یہی مایا چھوڑ گئے

○

قیدی کا راگ

سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سوئے گا کب تک جاگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
ڈنڈا سلگے بیڑی سلگے دھیرے دھیرے دیہی سلگے
بھڑکے من کی آگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
دُکھ کی ہنسی بڑی سُہانی اب تک تو نے قدر نجانی
اپنے اپنے بھاگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
مجمی جیل کی مایا دیکھے کمبل دیکھے تسلا دیکھے
بیٹھا جگ کو تیاگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر
سُن قیدی کا راگ پریمی چھن بولت ہے زنجیر

○

کوچ کا ڈنکا باجت ہے

جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
اب تک موج نہ آئی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
سکھیوں میں ہے جینا مرنا ہلکی ہمری بات نہ کرنا
اوٹھو پریم دوہائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
سوچت سوچت عمر گزاری رین کٹھن ہے دن ہے بھاری
کب تک یہ چترائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
اب نہ چلے گا پیار کا منتر تم گھر میں ہم جیل کے اندر
جگ میں ہو نہ ہنسائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
نجمی کے پیغام سے اٹھو دین دھرم کے نام سے اُٹھو
ایک نہیں سنوائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے
جیل کی سدھ بسرائی ساجن کوچ کا ڈنکا باجت ہے

○

آؤ سہیلی جیل چلیں

ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
سب دھندوں کو آگ لگائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
بی بی کے دُکھ درد پہ واری چاچی پیست قوم سنواری
ان کی لبلا کیوں نہ رچائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
کربل بن کی بھوکی پیاسی فضہ جس کے گھر کی داسی
اس کی قید کے بل بل جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
بجلی چمکے بادل گرجے سانچے بول سے دھرتی لرجے
گلیوں گلیوں شور مچائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
بجّی کا اُپدیش سپھل ہو دھرم سپھل ہو دیش سپھل ہو
کاہے سَئیں نیر بہائیں آؤ سہیلی جیل چلیں
ساجن ہمرے جائیں نہ جائیں آؤ سہیلی جیل چلیں

○

پنتھ نارا کے دن کا

کس کی مایا سدا رہی ہے ریت گھروندا کے دن کا
من میں جگہ نہ پائی ٹھاکر تن پہ اجارا کے دن کا
رہو گے کب تک منھ کو موڑے نام بڑا اور درشن تھوڑے
دیس میں سب کا مرنا گڑنا پھر یہ پریکھا کے دن کا
چلتی پھرتی چھاؤں ہے دنیا نیاؤ کرو انیاؤ کرو
کتنے دیکھے ایسے تماشے یہ بھی تماشا کے دن کا
ایشر کے انصاف نگر میں دیر سہی اندھیر نہیں
ست اوجیارا رہتے جگ تک مگر اوجالا کے دن کا
کرودھ کپٹ کا راج نہ ٹھہرے آج بچا تو کال گیا
سانس کہاں کی آس کہاں کی سانس کا ڈھرّا کے دن کا
رنگ بھی چوکھا آئے گا جب سنی شیعہ ایک ہوئے
کے دن کی ہے مدحِ صحابہ اور تبرّا کے دن کا
نجمی کبت سنائے جاؤ اپنی دھن میں گائے جاؤ
جگ جیون ہے پریم کی ہنسی پنتھ نقارا کے دن کا

O

حسینؑ درشن

سنسان تھی بستی یثرب کی کربل میں نبیؐ کا جایا تھا ‏ ‏ ‏ اپنے ہی لہو کے پیاسوں میں وہ پریم سندیسا لایا تھا
مکھڑے پہ کھنچی تلواریں تھیں اور سورج سر پہ آیا تھا ‏ ‏ ‏ کیا دھرتی رن کی تپتی تھی جب پاؤں کے نیچے سایا تھا
یوں روگ منانے دنیا کا یہ کون بردگی آیا تھا ‏ ‏ ‏ سنسار ہی کو سکھ دینا تھا سنسار ہی سے دُکھ پایا تھا
جب دونوں جگ کے مالک سے یہ دنیا آنکھیں موندے تھی ‏ ‏ ‏ شبیرؑ نے گر کر سجدے میں اللہ کو تھپکوایا تھا
تیغوں کی چمکتی بجلی تھی اور شام کی سینا دل بادل ‏ ‏ ‏ وہ چھایا ہوا تھا بادل پہ وہ بجلی سے ٹکرایا تھا
اُپدیش کے کول شبدوں سے اب تک بھی دلوں میں گرمی ہے ‏ ‏ ‏ اس چاند نے اپنی کرنوں کو سورج کی طرح پھیلایا تھا
سب گود کے پالے وار دیے سب چاہنے والے وار دیے ‏ ‏ ‏ جینے سے نظریوں پھیری تھی اور موت کو یوں اپنایا تھا
جب کھائی تھی برچھی اکبرؑ نے جب تیر لگا تھا اصغرؑ کے ‏ ‏ ‏ آنکھوں پہ کسی کا بس ہی سہی من کون طرح سمجھایا تھا
کیا بانکے ترچھے تیور تھے ان پیاسے مرنے والوں کے ‏ ‏ ‏ کیا دھوپ کڑی تھی جنگل کی کیا مکھڑوں پر روپ آیا تھا
پردے سے دھواں سا اٹھتا ہے کیا آگ لگی ہے پانی میں ‏ ‏ ‏ مہمان کو کوفہ والوں نے پانی کے لیے ترسایا تھا
سب جانے ہی جانے والے تھے میدان سے آتا کون ادھر ‏ ‏ ‏ اکبرؑ کی سنائی آتی تھی اصغرؑ کا بلاوا آیا تھا

اس دیس کی آنکھیں بھی مجھی پیاسی تھیں حسینؑ درشن کی
بھارت میں اجالا پہنچا ہے کربل میں درس دکھلایا تھا

O

پَردیسی

شیرؔ ہی وہ پردیسی ہیں ہر دیس کو اپنا کرتے ہیں
یہ چڑھتے ہوئے سورج کی طرح گھر گھر میں اُجالا کرتے ہیں

مظلوم کو سب جگ روتا ہے مظلوم تو سب کا ہوتا ہے
دُکھ درد سے جن کا میل نہیں وہ اپنا پَرایا کرتے ہیں

ہر سال عرب کی بستی سے آتا ہے جو بھارت نگری میں
مُسلم ہی کا وہ مہمان نہیں ہندو بھی تو سیوا کرتے ہیں

کیا دھرم تھا کوفہ والوں کا مہمان کو پیاسا مار دیا
پانی پہ بھی جھگڑا ہوتا ہے پانی پہ بھی جھگڑا کرتے ہیں

سر کٹتا ہے اِک دھرمی کا ظالم کے ادھرمی ہاتھوں سے
کربل میں بُجھا کر ست کا دیا دُنیا میں اندھیرا کرتے ہیں

لاکھوں پہ بہتر بھاری ہیں کیا بات حُسینی پُرشوں کی
وہ شیر نہ ہاری مانیں گے جو موت کو ٹوکا کرتے ہیں

یہ بات اُنہیں کے ہات رہی سر اُن کے گئے پر بات رہی
دو جگ میں بڑی ہے بات اُن کی جو بات کی رکھشا کرتے ہیں

اشنان لہو سے ہوتا ہے ساونتوں کا رن ویروں کا
یہ آگ لگا کر مایا کو جیون میں اُجالا کرتے ہیں

آنچ آنے لگی اسلام پہ جب اصغرؑ نے بھی جیون وار دیا
اس کُل کے بڑے بھی چھوٹے بھی بگڑی کو بنایا کرتے ہیں

کیوں پیار نہ اُن پر آئے گا جو رن کو گئے تھے جھولے سے
سُلتے ہیں دلوں کے جھولے میں وہ آج بھی جھولا کرتے ہیں

ماتم ہے نبیؐ کے پیاروں کا ماتم میں نبیؐ کے سنگ نہیں
ایسے بھی خُدا کے بندے ہیں بپتا میں پریکھا کرتے ہیں

سنسار کے بھولے بسروں کو اپدیش نیا مل جاتا ہے
ہر سال جو تجمّی پیاسوں کا ہم سوگ منایا کرتے ہیں

O